تجلیوں میں حواس گم ہیں تمیزِ عیش و الم نہیں ہے
ستم کا شکوہ تو کیا کرینگے مجالِ شکرِ کرم نہیں ہے

...نامہ

تجلی

دیوبند

Islamic New[s] ...
CLOTH BAZAR, ...
(C. RLY.)

TAJALLI

Editor: Amir Usmani

ایڈیٹر

...عثمانی

Annual R...
per copy ...

فی پرچہ
آٹھ آنے

سالانہ
... روپے

تفسیرِ حقانی — دعواتِ عبدیت — تفسیر بیان القرآن

آپ شاید نہیں جانتے کہ

ادارہ ہادی دیوبند نے "تبلیغ دین اور اشاعتِ قرآن پاک کا کم استطاعت حضرات کیلئے کیا طریقہ جاری کر رکھا ہے"

ادارہ ہادی بیان القرآن جیسی عظیم تفسیر جدا جدا پاروں کی شکل میں ماہ بماہ ایک پارہ پیش کر کے عام مسلمانوں سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا ہے۔ جو آج بھی مکمل سیٹ یا ایک، دو پاروں کی شکل میں بھیجے جاتے ہیں

حضرت حکیم الامت کی یادگار میں مرکز اشرف العلوم کا قیام ادارہ کی دس سالہ خدمات کا نچوڑ ہے

بدیہ فی پارہ ایک روپیہ چار آنے۔ بدیہ فی مجموعہ مواعظ ایک روپیہ چار آنے۔ بقدر لاگت علاوہ محصول ڈاک وغیرہ

یہ رعایت صرف ممبران کے لئے مخصوص ہے، عام لوگوں کے لئے ہر پارے اور ہر مجموعہ مواعظ کی قیمت دو روپے ہے

فیس ممبری ماہانہ، نہ ششماہی اور نہ سالانہ۔ بلکہ اس سلسلے کی دائمی شرکت کے لئے صرف آٹھ آنے

تفسیر حقانی شیخ التفسیر مولانا عبدالحق دہلوی۔ دعواتِ عبدیت حضرت حکیم الامت یہ ادارہ کی دوسری اور تیسری پیش کش

مجموعہ مواعظ حکیم الامت (سلسلۂ دعوات عبدیت کے پانچ مواعظ کا مجموعہ) اور تفسیر حقانی اپنی بے مثال خوبیوں کی وجہ سے مقبول عام ہے

طرز بیان عام فہم — زبان سادہ — مضامین وقت کے مناسب

آپ بھی اس تبلیغی سلسلے میں اپنی خدمات پیش کریں، اور ان تینوں سلسلوں کو مسلمانوں کے گھر گھر پہنچانے میں ادارہ کی مدد کریں، مدارس میں، تمام مساجد میں قرآنی درس کا انتظام فرمائیں، فارم ممبری منگائیں، پوسٹر چسپاں کریں، خود ممبری قبول فرمائیں، دوستوں کو مشورہ دیں۔ ممکن ہے کہ آپ حضرات کی اس معمولی کوشش اور مخلصانہ دینی جذبۂ عمل سے

یہ بیڑا غرق ہو کر کیا عجب ہے پھر ابھر آئے — کہ ہم نے انقلاب چرخِ گرداں یوں بھی دیکھے ہیں

مفصل معلومات اس پتے سے حاصل کیجئے { مہتمم مرکز اشرف العلوم ادارۂ ہادی دیوبند۔ یوپی

بہادر خواتین اسلام

مؤلفہ :۔ جناب صادق حسین صدیقی۔

آخری پیغمبرؐ کی صحابیات کے مفصل حالات جو ولولہ انگیز بھی ہیں اور ایمان افروز بھی۔ اس دلچسپ اور سبق آموز کتاب کو آپ خود پڑھئے اور اپنے گھر والوں کو پڑھوائیے۔

صفحات ۲۰۶ ۔ قیمت مجلد تین روپے ۔ **رحمتِ عالم** ۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ کی مشہور کتاب ۔ قیمت دو روپے

خلافتِ معاویہؓ و یزید

اس چونکا دینے والی کتاب کی مانگ جس قدر ہے افسوس ہم اسے پورا نہ کرسکے۔ کیونکہ یہ بروقت مطلوبہ تعداد میں فراہم نہ ہوسکی۔ لیکن مایوس نہ ہوجیئے۔ اللہ کے فضل سے یقین ہے کہ جلد کافی مقدار میں مہیا ہوجائے گی۔ کوشش کی جارہی ہے۔ خیال ہے کہ اس ماہ کے آخر تک یہ کوشش بارآور ہوگی۔

جن شائقین کی فرمائشیں تعمیل نہ ہوسکیں وہ بھی اور نئے شائقین بھی ۱۵ ستمبر سے اپنے آرڈر ہمیں بھیجنے شروع کردیں۔ جس ترتیب سے آرڈر آئیں گے اسی ترتیب سے پورے کئے جائیں گے۔ ظاہر ہے مذکورہ تاریخ سے جو جتنی جلدی آرڈر بھیجے گا اسے اتنی ہی جلد توقع تعمیل کی رکھنی چاہئے۔

یہ بہرحال وعدہ نہیں کیا جاسکتا کہ تاخیر سے آنے والے آرڈر بھی ضرور ہی پورے کئے جائیں گے۔ ویسے حسب خواہش انتظام ہوگیا تو سبھی کی فرمائش پوری ہوجائے گی۔

تاجر حضرات

بھی آرڈر بک کرائیں۔ مجوزہ انتظام میں ہوسکتا ہے ان کی مانگ بھی پوری کی جاسکے۔

(وللہ عاقبۃ الامور)

یہ کتاب اب تک جہاں بھی گئی ہے بڑی دلچسپی، حیرت اور شوق سے پڑھی گئی ہے۔

منیجر

مکتبہ تجلی دیوبند

یو۔پی

حکیم الامتؒ کے علوم و معارف کے احیاء کے لئے ایک عظیم ڈیڑھ دو ماہی پروگرام

حکیم الامتؒ کا روزنامچہ (الافاضات الیومیہ)

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ حضرت نے امت کی اصلاح کے لئے تقریباً ایک ہزار کتابیں تصنیف و تالیف فرمائیں۔ مگر افسوس کہ آج یہ بیش بہا علمی ذخیرہ نایاب ہو چکا ہے۔ مواعظ دعوات عبدیت بازار میں چند مل جاتی ہیں لیکن ملفوظات کی کل کتابیں عنقا ہیں۔ ملفوظات کے ذیل میں سب سے بڑا سلسلہ "الافاضات الیومیہ" یعنی "حکیم الامت کے روزنامچے" کا ہے جو تفاسیر، فقہ، تصوف، اخلاق، معاشرہ، منطق، فلسفہ، تاریخ غرض تمام علوم و فنون کے متعلق عجیب معلومات کا گنجینہ ہے۔

ادارہ "اشرف المواعظ" دیوبند

حکیم الامتؒ کے ان ملفوظات و مواعظ کو ڈیڑھ دو ماہ کے وقفہ سے بہترین کتابت و طباعت کے ساتھ شائع کر رہا ہے۔ ایک سال میں چھ مجموعے شائع ہوتے ہیں۔ جن کی قیمت بارہ روپے ہوتی ہے۔ ان پر ساڑھے چار روپے محصول ڈاک علیحدہ ہوتا ہے۔ لیکن جو حضرات صرف ایک روپیہ فیس ممبری دے کر ادارہ کے رکن بن جاتے ہیں ان کو محصول ڈاک معاف ہے۔ اور دو دو ماہ کے وقفہ سے یہ مواعظ ملفوظات کے مجموعے دو روپے کی وی۔ پی سے ممبران کو ارسال خدمت ہوتے رہتے ہیں۔ اب تک مواعظ ملفوظات اور "اشرف السوانح" کے چھ حصے شائع ہو چکے ہیں۔ خود ممبر بنئے دوسروں کو ممبر بنائیے اور اس طرح اشاعت دین میں ادارہ کی مدد فرمائیے

——— منتظمِ المتفات ———

مینجر ادارہ اشرف المواعظ (اشرف منزل) دیوبند یو.پی

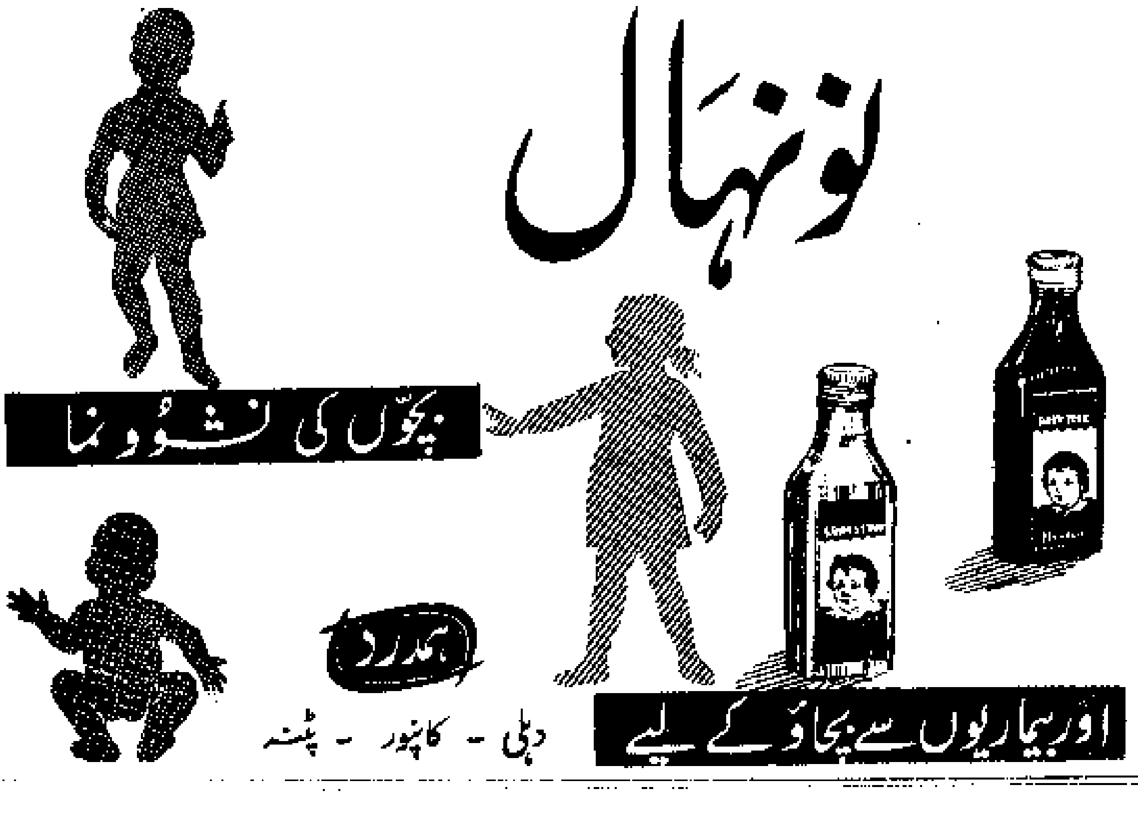

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی چند تصانیف

تفہیمات مجلد	چار روپے
تجدید و احیائے دین	ڈیڑھ روپیہ
نشانِ راہ	چھ آنے
قرآن اور پیغمبر	پانچ آنے
جبر و قدر	دو آنے
اسلامی تہذیب اور اسکے اصول و مبادی	ساڑھے تین روپے
اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے	چھ آنے
مسئلہ قومیت	ڈیڑھ روپیہ
مرتد کی سزا اسلامی قانون میں	بارہ آنے
حقیقتِ ایمان	چھ آنے
حقیقتِ صوم و صلوٰۃ	آٹھ آنے
حقیقتِ زکوٰۃ	سات آنے
حقیقتِ حج	چھ آنے
حقیقت اسلام	چھ آنے
اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر	چودہ آنے
دین حق	چھ آنے
اسلام اور جاہلیت	چھ آنے
اسلام کا اخلاقی نقطۂ نظر	پانچ آنے
قرآن فہمی کے بنیادی اصول	تین آنے
حقوق الزوجین	ڈیڑھ روپیہ
میلادُ النبی	دو آنے
زندگی بعد موت	دو آنے
اسلام اور ضبط ولادت	بارہ آنے
معراج کی رات	ایک آنہ
حقیقتِ نفاق	ڈیڑھ روپیہ
لباس کا مسئلہ	تین آنے

انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا حل	چھ آنے
دعوت اسلامی	چودہ آنے
جماعت اسلامی کی دعوت	چار آنے
دینیات	سوا روپیہ
اسلام کا نظام حیات	آٹھ آنے
قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں	ڈیڑھ روپیہ
جماعت کا مقصد اور طریق کار	آٹھ آنے
سلامتی کا راستہ	پانچ آنے

تصانیف مولانا امین احسن اصلاحی

حقیقتِ شرک	دو روپے
حقیقتِ توحید	ایک روپیہ
حقیقتِ تقویٰ	گیارہ آنے

مولانا آزاد کی چند کتابیں

تذکرہ	سات روپے
آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی	چھ روپے
صبح امید (خاص مضامین)	چھ روپے
نقش آزاد (خطوط کا مجموعہ)	چھ روپے
مقالات آزاد	دو روپے
مضامین آزاد	دو روپے
خطبات آزاد	تین روپے
شہید اعظم (واقعات کربلا)	ڈیڑھ روپیہ
مسلمانوں کا راستہ	۶ر
ولادت نبوی	۶ر

نوٹ: ان سب کتابوں کو ایک ساتھ منگانے پر دو آنے فی روپیہ رعایت دی جائے گی

فارسی آسان نصاب

فارسی زبان کا قاعدہ	۷ر
رہبر فارسی	۵ر
لطائف فارسی	۱۰ر
صرف و نحو فارسی	۱۲ر
لغات فارسی حصہ اوّل	۸ر
لغات فارسی حصہ دوئم	۱۰ر
پورا سٹ منگانے پر رعایتی	دو روپے بارہ آنے

عربی آسان نصاب

عربی زبان کا قاعدہ	۶ر
علم الصرف اولین و آخرین	۴ر
علم النحو	۱۰ر
عوامل النحو	۴ر
عربی گفتگو نامہ	۱۲ر
عربی صفوۃ المصادر	۱۲ر
روضۃ الادب	۱۲ر

پورا سٹ خریدنے پر رعایتی قیمت ساڑھے چار روپے

مکتبہ تجلی دیوبند (یو-پی)

کمیونزم کے اصلی خدوخال نمایاں کرنے والی چند بہترین کتابیں

آزادی کی طرف
ایک بڑے روسی کی خود نوشت سوانح، جس نے امریکہ میں پناہ لی۔ یہ بے حد دلچسپ لیکن عبرت ناک کتاب روس کے حقیقی حالات سے متعارف کراتی ہے۔ اسے پڑھنے کے بعد آپ کمیونزم کے حسین نعروں اور مصنوعی دعووں سے کبھی دھوکا نہیں کھائیں گے۔ قیمت مجلد تین روپے۔

کمیونزم اور کسان
کمیونزم کو ایشیائی نقطۂ نظر سے سمجھنے سمجھانے کی کامیاب کوشش جو بیشمار دستاویزی حوالوں سے مزین ہے۔ قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے۔

سوویٹ نظام کی چھ کنجیاں
جچے تلے عقلی و نفسی دلائل پر مشتمل ایک سنجیدہ اور معیاری کتاب جو دلچسپ بھی ہے اور حقیقت افروز بھی۔ صفحات ۲۲۴۔ قیمت ایک روپیہ۔

لینن
کمیونزم کے مشہور راہنما لینن کے سوانح حیات، ایک روسی کے قلم سے جو مکمل غیر جانبداری سے ترتیب دئے گئے ہیں۔ صفحات ۲۷۲۔ قیمت ایک روپیہ۔

آزادی کا ادب
بعض منتخب مقالوں، افسانوں اور منظومات کا مجموعہ۔ جنہیں نیک تعمیری مقاصد کے تحت چھاپا گیا ہے۔ قیمت مجلد تین روپے۔

ادب میں ترقی پسندی!
ادب میں "ترقی پسندی" کے نام سے جو تحریک جاری کی گئی تھی اس کی پوست کندہ حقیقت فی الاصل وہ کمیونزم ہی کی ایک سازش ہے۔ قیمت مجلد ایک روپیہ۔

نئی دنیا کی جھلکیاں
۱۔ ہمارے دور کا انقلاب ۲۔ (موجودہ سماج میں طبقاتی نظام ۳۔ اقتصادی نظام ۴۔ اقتصادی سامراج۔

فتنۂ انکار حدیث کا منظر و پس منظر
بہت مفصل، بڑی جامع اور دلچسپ ایمان افروز کتاب جس میں منکرین حدیث کے فرمودات پر بڑی دلچسپ اور فکر انگیز بحثیں ہیں۔ قیمت ساڑھے چھ روپے۔

گلدستۂ نعت
بڑے بڑے شاعروں کا منتخب نعتیہ کلام۔ چند مقالات بھی بطور ضمیمہ شامل ہیں۔ صفحات ڈھائی سو سے زیادہ۔ قیمت صرف ڈیڑھ روپیہ۔

کنیز
ایک اصلاحی ناول۔ عہد مبارک کی ایک سبق آموز داستان انتہائی دلچسپ پیرایہ میں۔ قیمت ساڑھے تین روپے۔

نو ایمان افروز کتابیں
نماز کے فضائل ۵۰/ سچے رسول کی سچی تعلیم، معلم نماز، خاصانِ خدا کی نمازیں ۱۲/ حضرت فاطمہؓ ۱۰/ رسول مقبول کی دعائیں ۴/ حضرت ابوبکر صدیقؓ ۱۲/ حضرت خدیجہؓ، حضرت بلالؓ

ان کتابوں کی مجموعی قیمت سات روپے ایک آنہ ہوتی ہے۔ لیکن ایک ساتھ منگانے والوں سے سوا چھ روپے لی جائے گی۔

نیا گھر:— ایک بیحد دلچسپ معاشرتی ناول جو نہایت سبق آموز ہے۔ قیمت سوا دو روپے۔

مکتبہ تجلی دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ تجلّی دیوبند

شمارہ نمبر ۷

جلد نمبر ۱۰

ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتے میں شائع ہوتا ہے

سالانہ قیمت چھ روپے۔ فی پرچہ آٹھ آنے

غیر ممالک سے سالانہ قیمت ۱۵ شلنگ بشکل پوسٹل آرڈر

نوٹ کر لیجئے:۔ اگلا اکتوبر کا پرچہ نہیں چھپے گا، بلکہ یکم نومبر ۵۹ء کو اکتوبر و نومبر کا شمارہ بطور "خلافت نمبر" شائع ہوگا۔

فہرست مضامین بابت ماہ ستمبر ۱۹۵۹ء

نمبر	مضمون	صفحہ	صاحب مضمون
۱	آغاز سخن	۸	عامر عثمانی
۲	مسجد سے میخانے تک	٩	مُلّا ابن العرب مکی
۳	تجلی کی ڈاک	۱۱	عامر عثمانی

اشد ضروری

اگر اس دائرے میں سُرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس پر آپکی خریداری ختم ہے، یا تو منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وی پی کی اجازت دیں،
اگر آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں، خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی پی سے بھیجا جائیگا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا (وی پی چھ روپے باسٹھ نئے پیسے کا ہوگا) منی آرڈر بھیجکر آپ وی پی خرچ سے بچ جائینگے۔

پاکستانی حضرات:۔ ہمارے پاکستانی پتہ پر چندہ بھیجکر رسید منی آرڈر ہمیں بھیجدیں رسالہ جاری ہوجائے گا۔

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

دفتر تجلّی دیوبند ضلع سہارنپور (یو۔پی)

مدیر

عامر عثمانی

فاضل دیوبند

پاکستان کا پتہ: جناب شیخ سلیم اللہ صاحب

۲۔بی-۵/۲ ناظم آباد کراچی (پاکستان)

آغازِ سخن

ڈاک نمبر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ نمبر اس لئے نکالا گیا تھا کہ جمع شدہ ڈاک "نمٹ جائے" لیکن ہمیں اعتراف ہے کہ آدھی بھی نہیں نمٹ سکی۔ وجہ بظاہر یہی ہے کہ ہم نے متعدد سوالات کے جواب طویل دیئے ہیں۔ اگر اختصار کی راہ اختیار کرتے تو اور بھی ڈاک فارغ ہو سکتی تھی۔ لیکن اپنی اس کمزوری کا علاج اب تک ہم سے نہیں ہو سکا ہے کہ توضیح مراد کی کوشش میں بات کو پھیلاتے ہی چلے جاتے ہیں اور اس وقت تک قلم نہیں روکتے جب تک یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ ہمارا مافی الضمیر خاص و عام سب کے لئے قابل فہم ہو گیا ہے۔ اس کمزوری کو بہت سے وہ حضرات جو وسیع علم اور گہری نظر نہیں رکھتے "خوبی" شمار کرنے کی غلطی کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ مقصد زیادہ سے زیادہ سوالات کے جوابات دینا نہیں، بلکہ لائق فہم اور دل نشیں جوابات دینا ہے چاہے کتنے ہی صفحات گھر جائیں۔

بہر حال جیسا کچھ بھی لکھنا لکھانا ہمارے بس میں ہے آپ کے سامنے ہے۔ جن پہلوؤں کو کمزوری اور عیب سے تعبیر کیا جا سکے وہ ہماری نا اہلی کا ثمرہ ہیں اور جنہیں "خوبی" شمار کیا جا سکے وہ اللہ کے فضل و کرم کا پرتو ہیں۔

اسی شمارے میں کہیں "خلافت نمبر" کا اعلان دیا گیا ہے اسے ضرور ملاحظہ فرما لیجئے۔ اس اعلان کے مطابق اگلے اکتوبر کے تجلی کا انتظار نہ فرمایا جائے۔ اکتوبر و نومبر کا مشترکہ شمارہ یکم نومبر ۵۹ء کو شائع ہوگا اور جیسا کہ اعلان میں لکھا گیا ہے اس کی حیثیت "خلافت نمبر" کی ہوگی۔ اپنے پتلے پتلے شماروں کو "نمبر" کہتے ہوئے تو بے شک ہمیں شرم سی آتی ہے۔ صحافتی حلقہ سیکڑوں صفحات کے موٹے موٹے نمبر چھاپنے اور دیکھنے کا عادی ہے۔ لیکن کیا کریں کاغذ کی گرانی اور اپنی بے مائگی پائے ہمت کی بیڑی بنی ہوئی ہے۔ مجبوراً اس مفلس کی طرح جو نیا جوڑا بنانے کی استطاعت نہ رکھنے کے باعث پرانے ہی کپڑوں کو دھو کر عید منا لیتا ہے، ہم بھی ضخامت میں اضافہ کرنے کی استطاعت نہ رکھنے کے سبب معمولی ہی ضخامت کو نمبر کی شکل دینے کا تماشا کر گذرتے ہیں۔

ویسے "خلافت نمبر" انشاء اللہ دو مہینوں کی ضخامت پر مشتمل ہوگا اور اگر قارئین نے اسے پسند کیا تو جلد ہی پھر اسی نمبر کی دوسری قسط پیش کی جائے گی۔ نمبر کا قسط وار ہونا مضحکہ خیز بھی ہے اور شاید اس سے قبل ایسا کسی رسالے نے کیا بھی نہیں ہے مگر ہماری سمجھ میں اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں آ رہی۔ مواد جمع ہے تو اسے کسی نہ کسی طرح چھپ ہی جانا چاہئے۔ اگر قارئین اس سلسلہ میں کوئی مشورہ دیں گے تو ہمیں خوشی ہوگی۔

(عامر عثمانی)

اگلا پرچہ

"خلافت نمبر" ہوگا

جو

یکم نومبر ۵۹ء کو شائع ہوگا

مستقل عنوان

از ملا ابن العرب مکی

مسجد سے میخانے تک

"نوادر الفتاوی" کا ایک باب

اور لیجئے۔ یہاں نواب کی ایک ایسے صوفی صاحب کا قصہ لکھا تھا جو بسبب کرامت اپنی کے ہوا میں اُڑا کرتے تھے اور اسی چکر میں ایک سرکس والے انھیں گھیرے گئے تھے۔ ہوا یوں تھا کہ جس دم وہ ہوا میں تیرتے جا رہے تھے سرکس والوں نے ہوائی جہاز میں پیچھا کرکے جھپٹ لیا تھا۔ وہ چیختے ہی رہ گئے کہ بھائی میں صوفی کشش بقائی ہوں سرکس کے کرتب نہیں دکھا سکتا مگر سرکس والوں نے کہا تھا کہ جناب اگر کچھ اور نہیں کر سکتے ہیں تو کم سے کم ہوا میں تو اُڑ ہی سکتے ہیں۔ ہم آپ کے پیروں میں رسی باندھ کے اُڑائیں گے۔ عمر بھر کا نہیں تو پانچ سالوں کا کنٹریکٹ ضرور کرنا ہوگا

اب ایڈیٹر تجلی فرماتے ہیں اس خرافات کو آگ لگاؤ۔

فی الحال فتوے لکھنے ہیں کہ ڈاک نمبر نکالا جا رہا ہے۔ ناظرین کو یاد ہوگا پہلے بھی فدوی ایک آدھ بار فتوے لکھ چکا ہے۔ انکا انجام بڑا دردناک ہوا تھا۔ متعدد مفتیوں نے مسکوٹ کی تھی کہ تلا پر توہین مذہب کا مقدمہ چلایا جائے۔ متعدد قارئین نے قسم کھائی تھی کہ اب کبھی تجلی نہیں پڑھیں گے۔ ایک صوفی صاحب نے صاف کہا تھا کہ تجھ پر دس ہزار یومیہ کے حساب سے لعنتیں برس رہی ہیں اور وہ دن دور نہیں کہ زمین پھٹے اور تو اس میں سما جائے۔

"تنہا یا بال بچوں سمیت؟" میں نے سوال کیا تھا۔ وہ بھنّا گئے تھے۔

"مردود مذاق کرتا ہے!"

کمال ہے عاجز نے تو کتنا سنجیدہ اور دردمندانہ سوال کیا تھا۔ ظاہر ہے بال بچے بھی اگر ساتھ ہی سما جائیں تو زیرِ زمین بھی جشن منایا جا سکتا ہے اور اس ہولناک فکر سے نجات مل سکتی ہے کہ یار لوگ پس ماندگان کو صبرِ جمیل کی تلقین کر کرکے ادھ مرا کر دیں گے۔ یقین کیجئے۔ جب اس سٹینڈرڈ تاریخی جملے کا تصور آتا ہے

"اللہ تعالیٰ پس ماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے"

تو جی چاہتا ہے کہنے والے کا گلا گھونٹ کر میں بھی اس کے پس ماندگان کے حق میں یہی دعا ایک سانس میں لاکھ بار دہراؤں۔ بات یہ ہے اس جملے کے دہرانے والے بیسیوں دیکھے ہیں۔۔ جانچا تو معلوم ہوا یہ بس حلق سے نکلتا ہے۔ دل یا دماغ سے اس کا کوئی کنکشن نہیں ہوتا۔ اِلّا ماشاء اللہ۔

اسی لئے طے کر چکا ہوں کہ اگر میرے جنازے پر کسی نے میرے بال بچوں کو صبرِ جمیل کا سبق پڑھایا تو ہاتھوں ہاتھ چپت رسید کرونگا چاہے دس دفعہ کفن سلوانا پڑے۔

حاصل یہ کہ مذاق کا تو کوئی بھی پہلو میرے سوال میں نہیں تھا مگر صوفیوں کی ذکاوتِ حس کا کیا جواب ہے۔ خیر ذکر فتوی نویسی کا تھا۔ ایڈیٹر تجلی کے چہرے پر خوفناک متانت کے آثار پاکر دل دہل سا گیا۔ بہت ادب سے عرض کیا:-

"مجھ سے آپ ہل جتوالیں، ٹوکری ڈھلوالیں، مگر فتوے نہ لکھوائیں۔"

"گدھے ہو.....۔"

"تب تو اور بھی نہ لکھوائیں..... گدھوں کے فتوے آدمیوں کا بیڑا غرق کردیں گے۔"

"تم نے غلط سمجھا" وہ مسکرا کے بولے "آدمیوں کے لئے نہیں تمھیں گدھوں ہی کے لئے فتوے لکھنے ہیں!"

"ستیاناس ۔۔۔۔ اررر ۔۔۔ کیا فرمایا؟"

"گدھا گدھوں کے لئے فتویٰ لکھے گا۔ دفع ہو جاؤ۔"

"ارے ۔۔۔ تو کیا قارئین تجلی کے بارے میں آپ کی اتنی بری رائے ہے؟"

"بکو مت ۔۔۔ جو فتوے تم سے لکھوائے جائیں وہ قارئین تجلی کے لئے نہیں ہو سکتے ـــ یہ الگ بات ہے کہ وہ انھیں پڑھ کر تھوڑا سا وقت برباد کر لیں ۔۔۔"

"پھر ۔۔۔؟"

"وہ ان لوگوں کے لئے ہوں گے جو صریح خرافات کو خرافات محسوس کرنے کی حس نہیں رکھتے۔ ان کے چٹیل دماغوں میں میں تو علم منطق کے قرابے انڈیلنے سے رہا۔ تمھاری ہی بکواس انھیں ان کی بے حسی محسوس کرا سکتی ہے۔ تمھارے فتوے دراصل انھیں کے لئے ہوں گے۔"

"مار ڈالا ۔۔۔ گویا میں دیواروں سے سر ماروں گا۔"

"ضرور مارو گے ـــ نہیں مارو گے تو مجھے ہی آہیر دریچے کھولنے کی زحمت کرنی ہو گی۔"

"تو یوں کہئے میری موت فتووں ہی کے ہاتھوں لکھی ہے۔"

"نہیں تم اتنے حیادار نہیں ہو ـــ بھاگ جاؤ۔"

دیکھا آپ نے۔ "ماروں اور رونے نہ دوں" کی کیسی شاندار مثال!

گھر پہنچا ہوں تو کیا دیکھتا ہوں کہ بیگم صاحبہ اور ہمسائے کی لڑکی سلیمہ آمنے سامنے بیٹھی قہقہے لگا رہی ہیں۔ بیگم کے ہاتھوں میں ایک لمبا سا کاغذ تھا جسے شاید پڑھا جا چکا تھا سلیمہ حسب عادت اوڑھنی گلے میں لٹکائے سادہ سا لباس پہنے، بلا مانگ چوٹی اس طرح بے تکلفانہ بیٹھی تھی جیسے اپنے ہی گھر میں ہو۔ یہ ذہنی اعتبار سے بڑی طرار تھی۔ بارہا میری لاتیت بھی اس کی چٹاخ پٹاخ کے آگے آٹھ آٹھ آنسو روتی ہے۔

"آئیے دولھا بھائی" وہ چہکی "آپ کے لئے شاندار مسالہ آیا ہے ۔۔۔"

میں نے ناک بھوں سکیڑ کر انتہائی سنجیدہ چہرہ بنایا۔

"دیکھو سلّو میں اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"اوہو ۔۔۔ جی ۔۔۔ اچھا ایک منٹ" وہ ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے تیر کی طرح اٹھی اور میز سے آئینہ لا کر میرے منہ کے سامنے کر دیا ۔۔۔

"بخدا ۔۔۔ ذرا غور سے دیکھئے ۔۔۔"

"کیا لغویت ہے ۔۔۔ کیا دیکھوں؟" میں جھلایا۔

"آپ کا چہرہ ۔۔۔ قسم ہے پرسوں اخبار میں ایسا ہی کارٹون آیا تھا ـــ آپا جان تمھیں قسم ہے تم بھی دیکھنا۔"

"اے ہٹ" بیگم نے ڈانٹا "تھکے ہارے آئے ہیں، دو گھڑی دم تو لینے دے۔"

"اجی بڑے پہاڑ ڈھو کے آئے ہیں" وہ تڑ سے بولی ـــ "دفتر میں پنکھے کے سامنے بیٹھے گپیں مار رہے ہوں گے۔ چلئے مان لیا محنت کر کے آ رہے ہیں، مگر خواہ مخواہ سنجیدگی طاری کر کے اپنا حلیہ کیوں بگاڑتے ہیں۔"

میں کچھ نہیں بولا۔ لمحہ بھر پہلے تو واقعی میں نے زبردستی ہی سنجیدگی طاری کی تھی اور خوب جانتا تھا کہ ایسے عالم میں میرے روئے زیبا پر حماقت کی آندھیاں سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل نکلتی ہیں، لیکن اب اچانک میرے دماغ پر سچ مچ کی سنجیدگی نے حملہ کر دیا تھا اور کئی نازک خیالات ذہن میں در آمد ہو گئے تھے، جن کی نحوست میں بس پاگلوں ہی کی طرح سلیمہ کے منھ کو تکے جا رہا تھا۔ وہ اکرم چونکی۔ آثار کی لطیف تبدیلیوں کو شاید اس نے بھی فوراً ہی تاڑ لیا ۔۔۔ قینچی کی طرح چلتی ہوئی زبان رک گئی۔ حیرت اور گھبراہٹ ملے ہوئے لہجے میں منمنائی۔

"جی ۔۔۔ کیا بات ہے ۔۔۔ آپ کس طرح گھور رہے ہیں؟"

"میں اچھی طرح گھور رہا ہوں ـــ بیٹھ جاؤ۔"

وہ آئینہ رکھ کے بیٹھ گئی۔ فضا کی تبدیلی بیگم نے بھی محسوس کر لی۔ یہ معمولی حادثہ نہ تھا کہ میں ـــ یعنی ملّا ابن العرب مکّی سچ مچ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"اب کچھ کہئے بھی ۔۔۔ آپ تو ڈرائے دے رہے ہیں۔" بیگم بولیں۔

"میں ڈرا نہیں رہا ہوں ۔۔۔ بلکہ ڈر گیا ہوں ـــ"

باقی بر صفحہ ۵

تجلی کی ڈاک

مدیر تجلی کے نام ایک خط

(از طرف شیخ محبوب (مانوت ضلع پربھنی)

مورخہ ۱۵ر اگست ۶۵ء

مخدومی و محترمی! زید مجدکم العالی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ماہ رمضان المبارک میں میں نے محترم مولانا ابو منظور شیخ احمد صاحب کو ایک خط لکھا تھا کہ میری یہ جناب کی خواہش ہے کہ ہمارے قصبہ مانوت میں ایک ماہ تک تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا جائے اور ضروری دیگر مسائل کے بارے میں ہم لوگوں کی رہنمائی کی جائے۔ مولانا کو تبلیغ کے سلسلہ میں دعوت دی گئی۔ مولانا موصوف تقریباً ایک مہینہ تک یہاں تبلیغی کام کو نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ رمضان المبارک کا مہینہ قریب الختم تھا آپ یہاں سے چلے گئے۔ آپ کی داڑھی کو غیر شرعی قرار دینے کی جرأت بالمشافہ تو نہ ہوئی لیکن مولانا موصوف کو غائبانہ فاسق تک کہہ دیا گیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمارے یقین میں مولانا موصوف کی داڑھی بالیقین غیر شرعی نہیں ہے۔ اسی بناء پر خاکسار نے مولانا موصوف کو یہاں کے تفصیلی حالات سے مطلع کر کے استفتاء کا طالب ہوا۔ مولانا موصوف نے تفصیلی جواب ارشاد فرمایا ہے

اب میں آنجناب مدیر تجلی مولانا عامر صاحب مدظلہ کی خدمت میں ان توضیحاتی دلائل کو بغرض اشاعت بھیج رہا ہوں اگر آپ مناسب سمجھیں شائع کر دیجئے۔

مخالف حضرات کا کہنا ہے کہ کیا تجلی پرچہ قرآن حدیث ہے یا کوئی نقدی کتاب ہے جو کہ ہم اس کو مان لیں گے۔

اب میں مولانا موصوف ابو منظور شیخ احمد صاحب کے ملفوظ کو لفظ بہ لفظ نقل کئے دیتا ہوں۔ ملاحظہ ہو۔

"داڑھی کی مقدار کا مسئلہ ہو یا اسی قبیل کے دوسرے جزئیات ہوں، ان کی نسبت ہمارا نقطۂ نظر اور طریق کار آپ کو معلوم ہے اور یہ نقطۂ نظر و طریق کار ہمارا اپنا من گھڑت نہیں ہے بلکہ اس پر کتاب و سنت ہی کی تصریحات شاہد ہیں۔ اس لئے جہاں اس قبیل کے معاملات سے سابقہ پیش آئے وہاں ہمارے لئے یہ بات بالکل کافی ہے کہ اصل ماخذ دین سے ہر چیز کی نوعیت و حقیقت کما حقہٗ بیان کر دی جائے اور جب لوگ اس پر جھگڑے چڑھانے شروع کر دیں یا اسے جھگڑوں اور فتنہ پردازیوں کا موضوع بنا لیں بس اسی وقت سے علیحدگی اور کنارہ کشی اختیار کر لی جائے۔ اگر کسی بقول آپ کے "ایک اکھاڑا" بن رہی ہو تو صحیح طریق کار یہ ہے کہ دوسری مساجد میں نماز ادا کی جائے اور اگر اسی مسجد میں جانا کسی مصالح و فوائد کے نقطۂ نظر سے ضروری ہو تو نماز یا تدریس وغیرہ تک اپنی دلچسپی کو محدود رکھیں اور جہاں ان لوگوں کو لایعنی گفتگوؤں اور مباحثوں میں مشغول پائیں وہیں سے قالوا سلاماً کا طریقہ اختیار کریں۔

آپ کو خود اعتراف ہے کہ تجلی کی تصریحات پر لوگ مطمئن ہونے کے بجائے الٹا غصے میں آگئے اور اول فول بکنے لگے۔ ایسی صورت میں داڑھی کی مقدار کے مسئلہ پر مزید مواد اکٹھا کر کے سند کے طور پر رکھنے اور ان کو بتاتے رہنے سے کیا فائدہ ہے؟ یوں بھی اب تک اس مسئلہ پر مدیر تجلی نے جو کچھ لکھا ہے وہ بہت کافی ہے اور اس قسم کی لایعنی جزئیات پر اب وہ مزید توجہ نہیں دیں گے۔ جو شخص فی الواقع مطمئن ہونا چاہتا ہو اس کیلئے ایک آدھ مرتبہ کی چند سطریں بھی کافی ہو سکتی ہیں اور جس شخص کو اطمینان ہی مقصود نہ ہو بلکہ صرف فتنہ پردازی مقصود ہو اس کے لئے ہزار مرتبہ کی تحریریں بھی بے سود ہیں۔ مدیر تجلی پہلے

بھی اس مسئلہ پر لکھتے رہے ہیں اور جون کے پرچے میں بھی اس قبیل کی تمام چیزوں کے بارے میں علماءِ حق کا نقطۂ نظر پوری تفصیل کے ساتھ کھول کر بیان کر دیا ہے۔ اب مزید اسی مسئلے پر خامہ فرسائی کرنا تضیعِ اوقات ہے۔ علاوہ ازیں مولانا مودودی مدظلہ نے ان سے کہیں زیادہ بہتر اور جامع طریق پر اس قبیل کے معاملات پر بار بار اپنی تحریروں میں روشنی ڈالی ہے چونکہ آپ کے پاس تجلی کا فائل موجود ہے اور ترجمان القرآن کا موجود نہیں ہے۔ اس لئے میں اس مسئلہ پر مولانا موصوف کے خیالات نقل کرتا ہوں۔ ان کا ایک ایک لفظ بصیرت افروز ہے اور اس سے مسائلِ دینی میں صحیح نقطۂ نظر اختیار کرنے کی بہترین تربیت ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"میرے نزدیک کسی غیر منصوص چیز کو منصوص کی طرح قرار دینا اور کسی غیر مسنون کو (جو اصطلاحِ شرعی کے لحاظ سے سنت نہ ہو) سنت قرار دینا بدعت ہے۔ اندرین خطرناک بدعتوں میں سے ہے جو معلوم و معروف بدعتوں کی بہ نسبت زیادہ تحریفِ دین کی موجب ہوتی ہیں۔ اسی قبیل سے یہ داڑھی کا معاملہ ہے لوگوں نے غیر منصوص مقدار کو ایسی حیثیت دے دی ہے اور اس پر ایسا اصرار کرتے ہیں جیسا کسی منصوص چیز پر ہونا چاہئے۔ پھر اس سے زیادہ خطرناک غلطی یہ کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کو بعینہٖ وہ سنت قرار دیتے ہیں جس کے قائم و جاری کرنے کے لئے آپ مبعوث ہوئے تھے۔ درانحالیکہ جو امور آپ نے عادۃً کئے ہیں انہیں سنت بنا دینا اور تمام دنیا کے انسانوں سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ سب ان عادات کو اختیار کریں اللہ اور رسولؐ کا ہرگز یہ منشا نہ تھا۔"

(ترجمان القرآن بابت ربیع الاول تا جمادی الآخر ۱۳۶۲ھ صفحہ ۳۰۱)

ایک اور سوال کے جواب میں مولانا تحریر فرماتے ہیں:۔

"داڑھی کے متعلق شارع نے کوئی حد مقرر نہیں کی ہے علماء نے جو حد مقرر کرنے کی کوشش کی ہے وہ بہر حال ایک استنباطی چیز ہے اور کوئی استنباط کیا ہوا حکم وہ حیثیت حاصل نہیں کر سکتا جو نص کی ہوتی ہے۔ کسی شخص کو اگر فاسق کہا جا سکتا ہے تو صرف حکمِ منصوص کی خلاف ورزی پر کہا جا سکتا ہے۔ حکمِ مستنبط کی خلاف ورزی (چاہے استنباط کیسے ہی بڑے علماء کا ہو) فسق کی تعریف میں نہیں آتی، ورنہ اسے فسق قرار دینے کے دوسرے معنی یہ ہوں گے کہ استنباط کرنے والوں کی بھی شریعت میں وہی حیثیت ہے جو خود شارع کی ہے۔" (ایضاً صفحہ ۹۱)

ایک صاحب نے سوال کیا تھا کہ "کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ کسی صحابی کی داڑھی ایک مشت سے کم تھی؟" اس کے جواب میں مولانا نے لکھا ہے:۔

"اسماء الرجال اور سیر کی کتابوں میں تلاش کرنے سے مجھے بجز دو تین صحابیوں کے کسی کی داڑھی کی مقدار نہیں معلوم ہو سکی ہے۔ صحابہؓ کے حالات پر صفحے کے صفحے لکھے گئے ہیں، مگر ان کے متعلق یہ نہیں لکھا گیا کہ ان کی داڑھی کتنی تھی۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سلف میں یہ مقدار کا مسئلہ کتنا غیر اہم اور ناقابلِ توجہ تھا۔ حالانکہ متاخرین میں جس شدت سے اس پر زور دیا جاتا ہے اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید مومن کی سیرت و کردار میں پہلی چیز جس کی جستجو ہونی چاہئے۔ وہ یہی ہے کہ اس کی داڑھی کا طول کتنا ہے۔" (ایضاً صفحہ ...)

ایک اور موقع پر آپ فرماتے ہیں:۔

"میرے نزدیک کسی کی داڑھی کے چھوٹا یا بڑا ہونے سے کوئی خاص فرق واقع نہیں ہوتا۔ اصل چیز جو آدمی کے ایمان کی کمی اور بیشی پر دلالت کرتی ہے وہ تو اور ہے۔"

پھر لکھتے ہیں:۔

"اگر کسی کی حقیقی جاں نثاری و وفاداری اللہ کی راہ میں "طویل" ہو تو کوئی بڑا نقصان نہ ہو جائے گا۔ اگر اس کی داڑھی "قصیر" ہو لیکن اگر جاں نثاری و وفاداری "قصیر" ہے تو یقین رکھئے کہ داڑھی کا طول کچھ بھی فائدہ نہ دے گا، بلکہ عجب نہیں کہ خدا کے یہاں اس پر

زیب کاری اور سنگاری کا مقصد حل ہوجائے۔ آپ کو اور ہمارے تمام رفقاء کو اپنے باطن کی فکر اپنے ظاہر سے بڑھ کر ہونی چاہئے اور اسی طرح اپنے ان اعمال کی زیادہ فکر کرنی چاہئے جن پر خدا کی میزان میں آدمی کے ہلکے یا بھاری ہونے کا مدار ہے، کیونکہ اگر ہمارے اعمال ہلکے رہ گئے تو بال برابر وزن رکھنے والی چیزوں کی کمی و بیشی سے میزان الٰہی میں کوئی خاص فرق واقع ہونے کی توقع نہیں ہے۔" (ایضاً ص۵۱)

ایک اور موقع پر داڑھی کے معاملہ میں تفصیلی بحث کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:۔

"اس معاملہ میں جس روح اخلاق و فطرت کو اللہ ہماری عملی زندگی میں نمایاں دیکھنا چاہتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ مونچھیں کم کی جائیں اور داڑھی بڑھائی جائے۔ اسی کی ہدایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو دیدی اور یہی سنت ہے۔ اب رہی اس کی عملی صورت تو اس کا کوئی تعین نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد سے نہیں فرمایا۔ حالانکہ کوئی امر اس میں مانع نہیں تھا کہ آپ اعفاء لحیہ کی مقدار اور قص شارب کی حد واضح طور پر مقرر فرمادیتے یا کم از کم یہی فرمادیتے کہ داڑھی اور مونچھ کی ٹھیک وہی وضع رکھو جو میری وضع ہے جس طرح نماز کے متعلق حضورؐ نے فرمادیا کہ اسی طرح پڑھو جس طرح میں پڑھتا ہوں۔ پس جب کہ آپ نے اس معاملے میں کوئی حد مقرر نہیں کی، اور صرف ایک عام ہدایت دے کر ہم کو چھوڑ دیا تو اس سے یہ بات خود بخود ظاہر ہوتی ہے کہ جو روح اخلاق و فطرت اس معاملہ میں مطلوب ہے اس کا منشا پورا کرنے کے لئے صرف اتنی بات کافی اور ضروری ہے کہ آدمی داڑھی رکھے اور مونچھ کم کرے۔ اگر کوئی مقدار بھی اس کے ساتھ ضروری ہوتی اور اس مقدار کا قائم کرنا بھی حضورؐ کے مشن کا کوئی جز ہوتا تو آپ ہرگز اس کے تعین میں کوتاہی نہ کرتے مجمل حکم کے دینے پر اکتفا کرنا اور تعین سے اجتناب کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ شریعت اس معاملہ میں لوگوں کو آزادی دینا چاہتی ہے کہ وہ اعفاء لحیہ اور قص شارب کی جو صورت اپنے مذاق اور صورتوں کے تناسب کے لحاظ سے مناسب سمجھیں اختیار کریں۔"

پھر ایک شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:۔

"رہا یہ استدلال کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی رکھنے کا حکم دیا اور اس حکم پر خود ایک خاص طرز کی داڑھی رکھ کر اس کی عملی صورت بتادی، لہٰذا حدیث میں حضورؐ کی جتنی اور جیسی داڑھی مذکور ہے اتنی ہی اور ویسی ہی داڑھی رکھنا سنت ہے تو یہ ویسا ہی استدلال ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ حضورؐ نے ستر عورت کا حکم دیا اور ستر چھپانے کے لئے ایک خاص طرز کا لباس استعمال کرکے بتادیا، لہٰذا اسی طرز کے لباس سے تن پوشی کرنا سنت ہے۔ اگر یہ استدلال درست ہے تو میرے نزدیک آج متبعین سنت میں سے کوئی شخص بھی اس سنت کا اتباع نہیں کررہا ہے۔" (ترجمان القرآن بابت صفر ۱۳۶۵ھ ص۵۵ ج۲)

منصوص و مستنبط مسائل کی اصلی نوعیت پر ایک جگہ بڑی خوبی کے ساتھ روشنی ڈالی ہے جس کو ملحوظ رکھنا شریعت کے ہر طالب علم کے لئے نہایت ضروری ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:۔

"میں اصولاً اس بات کا قائل ہوں اور اس اصول پر مجھے شدت کے ساتھ اصرار ہے کہ آدمی صرف حکم منصوص کی خلاف ورزی سے ہی گنہگار قرار پاسکتا ہے قیاس و استنباط سے نکالے ہوئے احکام کی خلاف ورزی کسی کو گنہگار نہیں بناتی، بجز اس شخص کے جو اس قیاس و استنباط کا قائل ہو۔ اسی طرح مجھے اس بات پر بھی اصرار ہے کہ حرام صرف وہ ہے جسے خدا و رسول نے بالفاظ صریح حرام کیا ہو یا جس سے صاف الفاظ میں منع کیا ہو یا جس میں مبتلا ہونے والے کو سزا کی وعید سنائی ہو یا نصوص کے اشارات و اقتضاءات سے جن کی حرمت مستنبط ہونے پر اجماع ہو۔ رہیں وہ چیزیں جو قیاس و اجتہادات حرام ٹھہرائی گئی ہوں اور جن میں دلائل شرعیہ کی بناء پر دو یا دو سے زیادہ اقوال کی گنجائش ہو تو وہ

مطلقاً حرام نہیں ہیں، بلکہ صرف اس شخص کے لئے حرام ہیں جو اس قیاس و اجتہاد کو صحیح تسلیم کرے۔ میرے نزدیک اس حقیقت سے اغماض برتنا اہم اسباب میں سے ایک ہے جن کی بنا پر امت کے مختلف گروہوں نے ایک دوسرے کی تضلیل و تفسیق کی ہے۔"

(ترجمان القرآن بابت ذی الحجہ [illegible] ص ۱۹۱)

میں سمجھتا ہوں کہ مذکورۂ بالا اقتباسات ہر طرح شافی و کافی اور تمام شبہات کے لئے نافی ہیں۔ جو لوگ فی الواقع خلوص نیت اور خدا ترسی کے ساتھ مسائل دینی کو سمجھنا چاہیں اُن کے لئے مذکورہ بالا اقتباسات کا ایک ایک لفظ روشنی بہم پہنچاتا ہے اور جو لوگ محض فتنہ پرداز ہیں ان کے لئے ان اقتباسات میں کچھ بھی نہیں۔ وہ ان پر اس طرح برافروختہ ہوں گے جس طرح تجلی کی تحریر دل پر وہ برافروختہ ہو گئے۔ جامعہ عربیہ ناگپور کے کتابچے اور عام فقہی کتابوں کی تصریحات کا بھی نہایت عمدہ جواب ان اقتباسات میں موجود ہے۔ رہ گئے آفاقی صاحب کے وہ حملے جو انھوں نے میری داڑھی یا میری ذات پر کئے ہیں سو ان کے بارے میں براہ کرم کوئی مدافعت نہ فرمائیں۔ المرءُ یقیس علی نفسہٖ کو پیش نظر رکھیں۔ اس قسم کی جاہلانہ حرکتوں اور باتوں کا جواب دینا یا ان میں اُلجھنا خود اپنے وقار کے خلاف ہے۔ اگر وہ کتابیں لکھ لکھ کر لوگوں کو بتائیں اور لوگوں کو مجھ سے متنفر کرنے کی کوششیں کریں تب بھی آپ سکوت ہی اختیار کریں۔ الا یہ کہ جہاں کہیں اظہار حق کی ضرورت محسوس کریں وہاں اظہار حق کر دیں اور جو لوگ سنجیدگی سے کسی مسئلہ کو سمجھنا چاہیں انھیں سنجیدگی کے ساتھ وہ مسئلہ بتا دیں۔ آپ خود سوچئے کہ کسی عالم کو اگر جاہل کہہ دیا جائے تو کیا فی الواقع وہ جاہل ہو جاتا ہے؟ ظاہر ہے کہ کبھی نہیں۔ بلکہ اس قسم کے کمینہ حملے خود حملہ آور کی طینت کو آشکارا کر کے دکھا دیتے ہیں۔ اگر اس ناچیز کے لوگ مجھے "بے عمل" نہیں 'بد عمل' بھی کہہ دیں، بلکہ اس سے کہیں زیادہ کریہہ الفاظ میں مجھے یاد کریں، یہاں تک کہ مجھے گالیاں بھی دیں تب بھی میرا کچھ نہیں بگڑتا۔ پھر میں کیوں اپنی سطح سے نیچے اتر کر ان کی جاہلانہ اور سفیہانہ باتوں میں اُلجھوں اور سفاہت در جواب الجواب کی کوشش کروں۔ میرا طریقہ یہ ہے کہ جس چیز کے متعلق مجھے مطابق شریعت ہونے کا اطمینان حاصل ہو جاتا ہے اسے اختیار کرتا ہوں اور لوگوں کی ملامت سے بے خوف ہو کر رہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہی طریقہ دوسرے تمام متبعین شریعت بھی اختیار کریں اور لوگوں کی بکواس پر نظر رکھنے کی بجائے صرف خدا کی خوشنودی و ناخوشی پر نظر رکھیں۔

جواب:۔

ویسے تو یہ مکتوب کسی جواب کا محتاج نہیں ہے۔ خود ہم بھی اصولاً اسی زاویۂ نظر کو درست سمجھتے ہیں جسے اس خط میں تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔ تاہم چند فقرے اُن حضرات کی خدمت میں عرض کر دینا چاہتے ہیں جو یہ فرماتے ہیں کہ تجلی پر پتہ قرآن حدیث یا کوئی فقہ کی کتاب نہیں ہے جو کہ ہم اس کو مان لیں گے۔

بیشک تجلی کو اس طرح کا کوئی مقام حاصل نہیں اور ہر شخص کو حق ہے کہ جو کچھ تجلی میں شائع ہو اس پر جی بھر کے تنقید کرے۔ اسے دلیل و منطق کی کسوٹی پر پرکھے اور جن اجزاء کو کھوٹا پائے انھیں دیوار پر دے مارے۔ لیکن نقد و نظر کے بغیر ہی محض بدگمانی اور تعصب کی بنا پر گریز و انکار کا جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے وہ کسی طرح معقول نہیں ہے۔ ہم نے کبھی کسی اہم مسئلہ میں اپنی ناقص رائے کو بلا دلیل ناظرین کے ذہن پر زبردستی ٹھونسنے کی کوشش نہیں کی ہے، بلکہ ہمیشہ یہ چاہا ہے کہ جو کچھ ہم از راہ عقل و نقل حق سمجھتے ہیں وہ دلیل و برہان کے ساتھ ناظرین تک پہنچے اور ان کے قلب و ذہن کی تشفی ہو جائے۔

داڑھی کے موضوع پر گرم و تند قسم کی بحثیں کچھ زیادہ پرانی نہیں ہیں۔ ابتدائے اسلام کی متعدد صدیوں میں آپ ڈھونڈے سے بھی اس موضوع کے معرکے نہیں پا سکیں گے۔ بس اتنا ہوا ہے کہ دیگر فقہی مسائل کی طرح اس مسئلہ پر بھی اہل علم نے اپنا اپنا خیال و اجتہاد پیش فرما دیا ہے۔ لیکن بعد کی صدیوں میں غلو پسند اور متشدد لوگوں نے اس مسئلہ کو مسئلے کے دائرے سے نکال کر جزو ایمان اور تکفیر و تشہیر کی بنیاد مستقل بنا لیا اور ماحول کے زہر سے متاثر ہو کر بعض اچھے خاصے سمجھدار اور صاحب علم بزرگوں تک نے اس باب میں رسالے کے رسالے لکھ مارے۔ رسالے لکھنا معیوب نہیں ہے،

اگر لکھنے والوں کے پیشِ نظر صرف اشاعتِ حق ہو اور اپنے ہر اجتہاد و استدلال کو مثلِ وحی قرار دینے کا رجحان نہ پایا جاتا ہو مگر افسوس ہے کہنا پڑتا ہے کہ اس موضوع کے جن رسائل تک ہماری نظر پہنچی وہ کم و بیش سبھی توازن و اعتدال کی حدوں سے نکلے ہوئے ہیں اور اپنے موقف و مسلک کے دلائل فراہم کرتے ہوئے مقابل دلائل کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ انصاف کا حق تبھی ادا ہو سکتا ہے کہ آدمی بس ایک ہی رُخ کے دلائل سے ترازو کا پلڑا زمین پر نہ ٹکا دے، بلکہ دوسرے پلڑے میں مقابل و متعارض دلائل بھی ایمانداری کے ساتھ رکھے اور پھر دکھائے کہ کس طرف کتنا وزن ہے۔ ماضی میں اکثر ائمہ و مجتہدین ایسا ہی کرتے تھے اور آج بھی کچھ نہ کچھ لوگ ایسا ہی کرنے میں کوشاں رہتے ہیں لیکن کثرت آج بدقسمتی سے ایسے لوگوں کی ہے جو تصویر کے دونوں رُخ دیکھنے کے قائل نہیں ہیں اور ایک ہی رُخ پر روشنی ڈالتے ہوئے سخت گیرانہ فیصلوں اور جارحانہ فتووں کی آندھی اٹھاتے چلے جاتے ہیں۔ ہم ان سے اس کے سوا کیا عرض کر سکتے ہیں کہ اے عالی مقام دوستو! اللہ کو ہر حال میں عدل و دیانت اور ایمانداری ہی مطلوب ہے۔ وہ نہ خود ذرہ برابر ظلم کرتا ہے نہ بندوں کے ارتکابِ ظلم کو پسند کرتا ہے۔ اس نے قرآن میں صاف کہا ہے کہ شہادتِ حق دو چاہے یہ تمہارے ماں باپ اور خود تمہاری اپنی ہی ذات کے خلاف پڑتی ہو۔ عدل کرو چاہے معاملہ کفار و مشرکین ہی کے ساتھ ہو۔ عدل کی یہ مانگ زندگی کے چند خاص ہی شعبوں تک نہیں ہے۔ علم و عمل، فکر و نظر اور بحث و مباحثے کے جس مرحلے میں بھی زندگی کا قدم پہنچے وہاں انصاف و دیانت ہی کو برتنے کا رُخ آنا چاہئے۔ دیوبندی ہوں یا بریلوی، تجلی ہو یا کوئی پرچہ، سبھی سے انصاف کریں۔ جو عقائد و خیالات تمہارے دماغوں میں جڑ پکڑے ہوئے ہیں ضروری نہیں ہے کہ وہ سب کے سب عین حق ہوں۔ کتنی ہی باطل باتیں بھی شیطان آدمی کے باطن میں حق کے نام سے اُتار دیتا ہے۔ بہتر ہے کہ اہلِ علم کی تنقیدیں غور سے سنو اور تعصب سے بالاتر ہو کر سوچو سمجھو۔ جن اجزاء کو غلط پاؤ چھوڑ دو، جنہیں صحیح پاؤ قبول کر لو۔ یہی ہوشمندوں کا طریقہ ہے۔ اس کی مخالف سمت جانا کبھی پسندیدہ نہیں ہو سکتا۔

مانیں نہ مانیں آپ کو یہ اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جائیں گے

واللہ یہدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم

سوال: ۔ از شیخ محمد ۔ ونگیور — نئے زاویے

ہمارے قصبے میں ایک صاحب ہیں۔ ماؤں کی چھاتیوں میں دودھ کی کمی کو دور کرنے کے لئے انھوں نے ایک عمل شروع کر رکھا ہے جہاں کوئی عورت اُن کے پاس آتی ہے وہ اُس کی چھاتیاں بالکل کھلوا لیتے ہیں اور اُس کو اپنے پاس بٹھا لیتے ہیں اور کچھ پڑھ پڑھ کر اُس کی چھاتیوں پر ہاتھ پھیرتے ہیں اور پھونکتے جاتے ہیں۔ کیا کلامِ پاک کی آیتوں سے اس قسم کا عمل کرنا جائز ہے؟

جواب:۔

عورت کا سینہ نہ صرف ستر ہے بلکہ وہ اُن خاص اعضاء میں سے ہے جن کا لمس ہی نہیں صرف نظارہ بھی بے پناہ جنسی تحریک کا باعث ہوا کرتا ہے۔ پھر بھی اگر کوئی شخص عمل کی آڑ میں عورتوں کے سینے کھلوا کر دیدار اور لمس دونوں کا ارتکاب کرے تو اس کے سوءِ عمل میں کوئی کلام نہیں ہے۔

ہو سکتا ہے کچھ لوگ اس عمل کی افادیت کی شہادت دیں اور اسی بنا پر اسے جائز ٹھہرائیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی عمل میں کچھ افادیت کا ہونا ہی کافی وجہ جواز نہیں ہوا کرتا۔ جادو ٹونے کے مفید مطلب ہونے میں کیا شک ہے۔ شراب، قمار، سود میں بھی نفع کے پہلو موجود ہیں لیکن قرآن نے یہ اصول بیان کیا ہے کہ جن چیزوں کا نقصان ان کے نفع پر غالب ہو وہ واجب الترک ہیں۔ اگر ان شدید خطرات کو بھی نظر انداز کر دیا جائے جو مذکورہ عمل کے نتیجے میں پیش آ سکتے ہیں تو یہی ضرر کچھ کم نہیں ہے کہ سینے کی عریانی اور لمس سے عورت کے عفت و عصمت اور شرم و حیا کے شیشے میں بال آ جاتا ہے۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ جو صاحب یہ نادر عمل جانتے ہیں انھوں نے اسے کہاں سے حاصل کیا اور کس نیت سے جاری فرمائے ہوئے ہیں۔ بس اتنا ہی کہیں گے کہ اس طرح کا عمل شوہر تو بیوی پر آزما سکتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی کے لئے جائز نہیں

وہ امام الاتقیاء یا شیخ ثانی ہی کیوں نہ ہو۔

سوال ۲۰:- از اسعد گیلانی - لائل پور

حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما

تجلّی کا دسمبر کا شمارہ دیکھا۔ بالعموم التزام سے پڑھتا ہوں اس بار "تجلّی کی ڈاک" میں جو بحث آپ نے حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں کی ہے اسے پڑھ کر بہت لطف آیا۔ آپ نے معاملے کے بعض ایسے پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا ہے جو ایک طرف حقیقت پسندی پر مبنی ہیں اور دوسری طرف تاریخ اور روایات سے بنے ہوئے ایک عامی مسلمان کے ذہن کا سانچا کچھ اس طرز کا ہے جو آپ کے جواب سے ایک دھکا سا محسوس کرتا ہے۔ دماغ مطمئن لیکن دل اضطراب میں مبتلا ہوتا ہے اس لئے کہ آہستہ آہستہ ہر قسم کے معتقدات جذبات سے وابستہ ہو کر ایسے پختہ ہو جاتے ہیں کہ وہ آدمی کے گوشت پوست کا جزو بن جاتے ہیں اور جب ان کے خلاف کوئی چیز سامنے آتی ہے تو آدمی اضطراب محسوس کئے بغیر نہیں رہتا۔

حضرت امیر معاویہؓ کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف اُٹھ کھڑا ہونا ہمیشہ سے ایک نامسعود بلکہ نہایت نامناسب اقدام تصور کیا جاتا رہا ہے اس کے اسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے آپ نے صفحہ ۲۵ پر ایک ادنیٰ سرکاری ملازم کا حق ملازمت تسلیم کرتے ہوئے امیر معاویہؓ کو ایک حد تک حق بجانب قرار دیا ہے، حالانکہ معاملہ یہ ہے کہ حکومت میں عہدے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ عام مناصب جن کا تعلق روزمرّہ کے کاموں سے ہوتا ہے اور دفتری معاملات انجام دینے ہوتے ہیں۔ ان کا حکومت کی پالیسی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا جیسی حکومت بھی آئے وہ اپنا کام کرتے رہتے ہیں اور ان کے ریٹائر ہونے کی مدّت یا عمر اور دوسرے شرائط ملازمت مع سالانہ ترقی وغیرہ طے ہوتے ہیں۔ دوسرے مناصب وہ ہیں جو پالیسی کو چلانے والے ہوتے ہیں ان کے لئے اوّل تو کوئی مدت ملازمت مقرر نہیں ہوتی اور اگر ہوتی ہے تو ۳ سال یا ۵ سال۔ ایسے مناصب پر فائز لوگ عموماً حکومت کی تبدیلی سے تبدیل ہو جاتے ہیں اور ان کے شرائط ملازمت مدّت یا عمر کے ساتھ مشروط نہیں ہوتے جیسے گورنر وغیرہ۔

ایسے لوگ اگر عہدے سے الگ ہوں تو ان کو کسی عدالت میں اپنے حقوقِ ملازمت کے لئے دروازے کھٹکھٹانے کا حاصل نہیں ہوتا۔ حضرت امیر معاویہؓ کی ملازمت دوسری نوعیت کی تھی اور ان کو اپنی ملازمانہ پوزیشن کی حفاظت کے لئے اخلاقاً بھی کسی جگہ شکایت کی ضرورت نہ تھی۔ کجا یہ کہ وہ فوجیں مرتب کر کے ایک ایسے نظام حکومت کے سربراہ کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں جس کی اطاعت ان پر شرعاً واجب تھی۔ جب معاملہ سپہ سالار یا گورنر اور صدرِ مملکت کے درمیان ہو تو دنیا بھر کے معروف قاعدے کے مطابق صدرِ مملکت کا حکم کافر حکومتوں میں بھی نافذ العمل ہوتا ہے۔

خلیفۂ ثالث کی شہادت کا ہاشمی خانوادے پر اشتباہ صرف اس لئے کہ اس خاندان کے کسی نوجوان کو جرح کرنا آیا تھا تو آخر اور کس خاندان کے نوجوان کو جرح کرنا آیا تھا؟ وہاں تو بیسیوں خاندان موجود تھے۔

آپ نے یہ بھی اظہار کیا ہے کہ اگر کسی میں خلیفہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کا کس بل ہو تو دین اور دنیا کا کونسا قانون اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ آنکھیں بند کر کے گردن تسلیم جھکا دے۔ میرا خیال ہے کہ اگر اسے اصول بنا یا جائے تو پھر ہر طاقت ور صوبیدار کو اپنے مرکز سے بغاوت کا دینی اور قانونی لائسنس مل جاتا ہے۔ پھر طاقت فراہم ہونا شرط ہے حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے۔ جس نظام دین سے وہ وابستہ تھے وہ نظام دین ان کو بتاتا تھا کہ اطاعت امیر معروف میں فرض ہے اور اگر نزاع ہو تو میدان جنگ میں نہیں بلکہ خدا اور اس کے رسول سے فیصلہ کرایا جائے۔ جنگ صفین منعقد کرنے کا حق اسلام نہیں دیتا، بلکہ دنیا کا کوئی قانون بھی نہیں دیتا۔

حضرت امیر معاویہؓ کو اگر حضرت علیؓ کی طرف سے بیعت کا پیغام نہ بھی ملا ہو تو بھی وہ جانتے تھے کہ وہ جس اسلامی سلطنت کے ایک حصے کے گورنر ہیں اسی اسلامی سلطنت کے خلیفہ حضرت علیؓ مقرر ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کی اطاعت ان پر خود بخود لازم ہو جاتی ہے۔

کسی سلطنت میں بڑے سے بڑے عہدے پر اگر کوئی شخص

رہ چکا ہے تو اس پر لازماً جمے رہنا انسانی حقوق میں آپ کیسے شامل کیے دیتے ہیں۔ یہ تو حقوق حکومت ہیں جن کی پشت پر مرکز کی وفاداری شرط ہے۔ یہ تو کوئی بات نہیں ہے کہ ایک شخص نے چونکہ ۲۰ سال گورنری کی ہے اس لئے اب اسے بادشاہت کے حقوق بھی حاصل ہو گئے ہیں اور اگر مرکز سیدھی طرح تسلیم نہ کرے تو پھر لڑ بھڑ کر تسلیم کرائے جائیں۔ اگر اس بات کو اخلاقی اور قانونی جواز حاصل ہو جائے تو پھر دنیا کی کونسی حکومت اس سے چل سکتی ہے۔

یہ دراصل متفرق سوالات ہیں جو آپ کا نہایت بسیط مضمون پڑھنے کے بعد میرے ذہن میں آئے ہیں۔ ہم لوگ کوئی نہیں ہیں جو ان بزرگوں کے اعمال کو آج تولیں لیکن جب بات تاریخی واقعات اور تحقیق حال کی ہے تو پھر آدمی کا ذہن خود بخود ایسے حالات کی طرف جاتا ہے۔ امید ہے کہ آپ ان پر تجلی میں روشنی ڈالیں گے۔

جواب :—

ہمیں رنج ہے کہ آپ کا جواب مؤخر ہو گیا ہے۔ دراصل یہ تجلی کی ڈاک کے فائل میں ضم ہو گیا تھا اور فوری کی یادداشت ہی سے اتر گیا تھا۔ اب ہم کوشش کریں گے کہ مفصل جواب کے ذریعہ تاخیر کی تلافی کر دیں۔

بڑی مشکل وہی ہے جس کا آپ نے ذکر کیا یعنی معتقدات جذبات سے وابستہ ہو کر ایسے پختہ ہو جاتے ہیں کہ وہ آدمی کے گوشت پوست کا جزو بن جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی نقاد تنقید کے نشتر سے ان کا آپریشن کرنا چاہتا ہے تو ٹھنڈے دل و دماغ سے توجہ کرنے کے عوض آدمی تڑپ اٹھتا ہے اور منصفانہ فیصلہ کرنے کی بجائے نقاد کے ہونٹ سی دینا چاہتا ہے۔ عام لوگوں کا تو کیا ذکر، وہ خاص لوگ بھی جو نیک نیت اور حق پسند ہوتے ہیں اپنے کسی عقیدے یا مسلک پر تنقید ہوتے دیکھ کر دل و دماغ کو ٹھیک نقطۂ اعتدال پر قائم نہیں رکھ پاتے بلکہ جانب دارانہ شدومد کے ساتھ مخالفانہ دلائل کے کمزور ہی پہلوؤں کو ڈھونڈتے ہیں۔ ان کی شدید خواہش ہوتی ہے کہ جس عقیدہ و مسلک پر وہ جمے ہوئے ہیں وہ باطل ثابت نہ ہو اور جو معائب اس میں بیان کئے جاتے ہیں وہ بے حقیقت قرار پا جائیں۔ اس اعصابی عمل میں چاہے بعض دفعہ ان کے شعور و ارادے کو دخل نہ ہو لیکن ان کی ذہنی حالت اس عاشق کی سی ہوتی ہے جو اپنے محبوب کے حسن میں کسی نقص و عیب کا ذکر سن کر مین میخ نکالنے والے کا منہ نوچ لینا چاہتا ہے نقص و عیب چاہے حقیقی ہی ہو لیکن محبت کی عینک اوّل تو محبوب کی ہر ادا اور جملہ خد و خال پر حسن ہی ایسا چڑھاتی ہے کہ عاشق سچ مچ پورے خلوص کے ساتھ اس نقص کو حسن ہی کی شکل میں دیکھتا ہے اور عیب نکالنے والے کو متعصب حاسد اور کور ذوق خیال کرتا ہے۔ دوسرے اگر کہنے سننے سے اس کی عقل مان ہی لے کہ نقص واقعی موجود ہے تو محبت کا مارا دل فوراً آگے بڑھ کر جذبات کے ریشمی غلاف اس نقص پر چڑھا دینے کی سعی کرتا ہے اور محبوب کے دیگر اوصاف و محاسن، ناز و ادا اور جمال و رعنائی کو ہر ممکن مبالغہ کے ساتھ نمایاں کر کے عقل کو سمجھاتا ہے کہ حسن کی اس افراط کے ساتھ اگر ایک معمولی سا نقص بھی موجود ہے تو اس کی حیثیت زہر کی اس حقیر بوند سے زیادہ کیا ہے جو آب شیریں کے بیکراں سمندر میں حل ہو کر اپنا وجود ختم کر چکی ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ جذبے کی شدت آدمی کو شعوری ہی نہیں غیر شعوری طور پر بھی جانب داری ہی کی طرف دھکیلتی ہے اور اپنے دس دلائل کے مقابلے میں وہ بیس دلائل کو بھی حقارت سے ٹھکرا دیتا ہے۔ بلکہ سچ پوچھئے تو کتنے ہی دلائل خود جذبے ہی کی اختراع ہوتے ہیں اور آدمی ذہنی فریب خوردگی کے عالم میں یہ سمجھتا اور کہتا رہتا ہے کہ ان دلائل ہی نے اس میں جذبے کی تخلیق کی ہے۔ گویا والد کی جگہ مولود اور مولود کی جگہ والد کو رکھ دیا جاتا ہے۔ نتیجہ اس کے سوا کیا ہو گا کہ حقائق کی ترتیب ہی الٹ جائے۔ آپ زندگی کے نظری اور عملی دونوں ہی میدانوں میں قدم قدم پر تجربہ کر سکتے ہیں کہ جذبے کی زد میں انسان کتنے ہی ضعیف ترین دلائل کو سینے سے لگائے پھرتا ہے اور قوی ترین دلائل کو استحقار سے نظر انداز کر دیتا ہے۔

ان نفسیاتی اشارات کے بعد اپنے اشتباہات کے بارے میں سنئے

حضرت امیر معاویہؓ کا حضرت علیؓ کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا اگر حیثیت سے ایک نامسعود بلکہ نہایت نامناسب اقدام تصور کیا جا رہا ہے تو جانتے ہیں آپ اس کی وجہ کیا ہے؟ صرف یہ کہ حضرت علیؓ

ہی کے دور میں ایک شرارت پسند جماعت ایسی معرضِ وجود میں آ گئی تھی جو حضرت علیؓ اور اہلِ بیت کی غلو آمیز عقیدت و محبت میں ہر اُس شخص اور گروہ کو جہنم کا کندہ بنا دینے پر تلی ہوئی تھی جو سرِ مو بھی ان حضرات کی رضا سے اختلاف کرے اور آنکھیں بند کر کے ان کی ہدایات کا تابع نہ ہو۔ اس جماعت نے اپنے دور کے تمام میسر وسائل سے کام لے کر خاندانِ ہاشمی خصوصاً حضرت علیؓ کی مدحت و منقبت اور متقابل کیمپ کی مذمت و تذلیل کا وہ شاندار پروپیگنڈہ کیا کہ ایک طرف تو نفسِ تاریخ ہی کا حلیہ بگڑ کے رہ گیا۔ بے شمار من گھڑت باتیں "واقعات" بنا دی گئیں اور بے شمار "واقعات" کو اخفا کے پردوں میں چھپا دیا گیا۔ دوسری طرف ایسی فضا تیار ہو گئی جس میں اچھے اچھے بالغ نظر بھی ایک جذباتی جانب داری کا شکار ہو گئے اور معاویہؓ و علیؓ کی آویزشوں کی تاریخ کا مطالعہ انھیں بے لاگ عدل کے ساتھ نہیں معتقدانہ جانبداری کے ساتھ کرنا پڑا۔ وہ اپنی جگہ نیک نیت اور دیانت دار تھے لیکن ٹھیک اُس عاشق کی طرح جس کی مثال ہم دے آئے ہیں وہ طبعاً اور فطرتاً ایک ہی رُخ پر ڈھلتے چلے گئے۔ نتیجہ جو ہونا چاہیے تھا ہوا۔ ایک طرف شیعانِ علیؓ کا پروپیگنڈہ ان کی اپنی مرتب کردہ کتبِ تاریخ میں محفوظ ہو گیا۔ دوسری طرف وہ کتابیں بھی فساد سے مامون نہ رہ سکیں جن کے مرتبین اگرچہ شیعہ نہیں تھے سنی ہی تھے لیکن متعدد خرف ریزوں پر ہیروں کا مغالطہ کھائے ہوئے تھے۔ ان کتابوں میں صداقت بیانی کے ارادے کے باوجود کتنی ہی وہ کہانیاں اور تاریخ نما آراء داخل ہو گئیں جن کا سرچشمہ شیعانِ علیؓ ہی کا ذہن تھا۔ اس طرح وہ منبع ہی فساد آلودہ ہو گیا جس سے تاریخ کے سوتے پھوٹ کر آج تک نالیاں اور نہریں بناتے چلے آ رہے ہیں۔ تب اس کی کیا شکایت کہ امیر معاویہؓ کا اقدام ہمیشہ ہی سے ناروا سمجھا جاتا رہا ہے۔ ویسے اس شکایت کے ہمہ گیر اطلاق سے ہم متفق نہیں ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ ہر زمانے میں برعکس نقطۂ نظر بھی قابلِ لحاظ حد تک موجود رہا ہے تاہم ہمارے اختلاف کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تب بھی یہ نکتہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ جب ہمارے قلب و دماغ میں پہلے ہی سے یہ مفروضہ اتار دیا جاتا ہے کہ علیؓ و معاویہؓ کی آویزش میں سراسر معاویہؓ ہی کو خطاوار اور علیؓ ہی کو سراپا صواب ہونا چاہیے تو تاریخ کا مطالعہ ہرگز بھی غیر جانبدارانہ نہیں ہو سکے گا۔ تاریخوں میں تو پہلے ہی شیعی ذہن نے وہ سب کچھ جمع کر دیا ہے جس کے بل پر جس کو جوش اُٹھے معاویہؓ اور ان کے حامیوں کو غدار، لالچی، غلط کار، دنیا پرست اور فاسق جو چاہے ثابت کرتا چلا جائے اور عوام کو حبِ علیؓ اور عقیدتِ اہلِ بیت کی آڑ میں معاویہؓ کی شرپسندی اور یزید کے افسانوی فسق و فجور کا ایسا یقین دلا دے جس پر نقد و جرح کا کوئی بھی حربہ کام نہ دے سکے۔

آپ ملازمت کی قسموں کی بات کرتے ہیں۔ ہم عرض کریں گے کہ پہلے خلافتِ علیؓ کے آئینی انعقاد کو تو ثابت کیجیے۔ تین خلیفہ اس سے قبل ہو چکے ہیں اور ان کے انتخاب کی پوری کیفیت آپ دیکھ چکے ہیں۔ پہلے دو کی تو بات ہی کیا کیجیے۔ اِدھر بیعتِ خاص ہوئی اور اُدھر بیعتِ عام کا غلغلہ آسمان سے باتیں کرنے لگا۔ سر جھکے، دل جھکے، اطمینان و مسرت کی بادِ بہاری چلنے لگی — تیسری خلافت البتہ اس آن بان کی نہ تھی مگر بہت زیادہ گئی گذری بھی نہ تھی۔ مخالفین کی موجودگی کے باوجود بیعتِ خاص بھی ہوئی اور بیعتِ عام بھی۔ وہ کورم یقیناً پورا ہو گیا جو خلافت کو ٹھوس آئینی مقام عطا کرنے کے لئے کافی و وافی تھا۔ مگر چوتھی خلافت آتی ہے تو رنگ ہی پلٹا ہوا ہے۔ حضرت علیؓ کے لئے نہ بیعتِ خاص اطمینان بخش ہوتی ہے کہ بڑے بڑے مدبر اور معزز صحابہ صاف طور پر دامن کش ہیں اور نہ بیعتِ عام کا رنگ جما ہے کہ رعایا کی بڑی اکثریت خلیفہ اور انقلابی گروہ سے بے طرح ناراض ہے۔ کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ انعقادِ خلافت کے لئے خاص و عام کی بیعت کا جو تناسب پچھلی تین خلافتوں کے تعامل سے واضح ہوتا ہے یہ چوتھی خلافت اس تناسب کے آس پاس بھی آ سکی؟ آتی کیسے۔ جس گروہ نے خلیفۂ ثالث عثمانؓ کو بے دردی سے ذبح کیا تھا وہی اگر خلافتِ علیؓ کا سرپرست و موید نظر آ رہا ہو اور اسی کے قہر و تسلط کی نگرانی میں بیعتِ علیؓ کا مطالبہ اٹھایا جا رہا ہو تو کتنے افراد ایسے ہو سکتے ہیں جو یہ نہ سمجھیں کہ بیعتِ علیؓ کا مطالبہ ایک ایسے اقتدار کی وفاداری کا مطالبہ ہے جو جبر و استبداد اور دجل و سازش کے ذریعہ برسرِ اقتدار آیا ہوا ہے اور کتنے لوگ سرِ جبہ

باور نظر ہوتے ممکن ہیں کہ ظاہر فریب حالات کی آہنی دیواروں کے پیچھے چھپی ہوئی اس حقیقت تک پہنچ سکیں کہ حضرت علیؓ عملی یا ذہنی کسی بھی طور پر قتلِ عثمانؓ اور انقلابِ حکومت کی سازش میں ہرگز ہرگز شریک نہیں ہیں۔

ہم دسمبر میں بھی کہہ چکے ہیں اور اب بھی کہتے ہیں کہ خود ہمارے نزدیک حضرت علی کرم اللہ وجہہ قتلِ عثمانؓ کی سازش میں خارجی یا داخلی عملی یا ذہنی کسی بھی طور پر شریک نہ تھے لیکن بات ہمارے عقیدے اور خیال کی نہیں بلکہ اس پورے ماحول اور فضا کی ہے جس میں خلافتِ علیؓ منعقد ہو رہی ہے اور مالک اشتر جیسے جانے پہچانے مجرمین تلوار کے بل پر لوگوں کو گھسیٹ رہے ہیں۔ کیا اس وقت ایسی خلافت ظہور میں آسکتی تھی جیسے پچھلی تین خلافتوں کی شانِ ظہور میسر آسکے۔ کیا بیعتِ خاص و عام کا وہ کوٹہ پورا ہو سکتا تھا جو کسی خلیفہ کو سچ مچ ایک آئینی خلیفہ بناتا ہے۔ نہیں۔ قرآن و حدیث، اسوۂ صحابہ اور عقل و نقل کی کوئی دلیل ہمیں ایسی نہیں معلوم جو یہ بتائے کہ خلافتِ علیؓ اسلامی آئین و ضوابط کے سانچے ہی ضرور ہی خلا پر کیسے واقعی ایک ایسی خلافت بن چکی تھی جو لوازمتوں کی تکمیل سے کرنے سے پہلے ہی قدم پر اس قدیم خادمِ مملکت کی معزولی کا حکم نافذ کرنے میں حق بجانب ہو جس نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ یا اگر جرم کیا ہے تو صرف یہ کہ صریح حکمِ قرآنی کے مطابق مظلوم عثمانؓ کے خون کا قصاص مانگا ہے اور اس جرم کو عین خیر سمجھنے والے بے شمار افراد اس کے ہمنوا ہیں حتیٰ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم القدر زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اسی جرم کی مرتکب ہیں۔ یہ خادم تھا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ جو تقریباً بیس سال سے مملکت کا معتمد بنا آرہا تھا، جس کی خدمات کا ریکارڈ شاندار تھا، جسے عمر فاروقؓ جیسے صاحبِ رائے اور ژرف نگاہ کی پشت پناہی حاصل رہی تھی اور جو بے شمار ظاہر فریب دلائل کی شہ پر قدرتاً اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا تھا کہ عثمانؓ کے قتل کی سازش میں ضرور وہ شخص کسی نہ کسی حیثیت سے شریک ہے جس نے تختِ اقتدار پر قبضہ کیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ "ازالۃ الخفاء" میں یہ انکشاف فرماتے ہوئے کہ متعدد طرق سے مروی بہت سی متواتر حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بیان ملتا ہے کہ امت علیؓ پر جمع نہیں ہوگی۔ کہتے ہیں:۔

"خلافت حضرت علی مرتضیٰ کے لیے منعقد نہیں ہوئی کیونکہ اربابِ حل و عقد نے اپنے اجتہاد سے اور مسلمانوں کی نصیحت کی خاطر ان کی بیعت نہیں کی" (ج ۲ طبع اول)

علمائے اسلام میں کے ممتاز عالم امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں

"مسلمانوں کی کثیر تعداد نے جو نصف سے کچھ کم یا شاید زیادہ ہی ہو علیؓ کی بیعت نہیں کی۔ سعد بن وقاصؓ اور ابن عمرؓ تک نے نہیں کی اور علیٰ ہذا دیگر صحابہ نے" (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۳۴)

دونوں بزرگوں کے یہ فرمودات کسی تبصرہ کے محتاج نہیں۔ ذرا سوچئے تو ایک خاص انداز کی انتخابی خلافت کا انعقاد ہی جب معرضِ بحث میں ہے تو خلیفہ کے ہر حکم کی تعمیل ـ چاہے وہ بظاہر کیسا ہی غیر منصفانہ نظر آرہا ہو ـ کیونکر لازم قرار دی جا سکتی ہے۔ اور یہ بھی سوچئے کہ کسی بھی ملک میں حکومت کا تختہ الٹ کر جو گروہ برسرِ اقتدار آتا ہے کیا اسی کو دنیا تختہ الٹنے والا نہیں سمجھتی۔ خصوصاً اگر وہ لوگ اس نئے اقتدار کو قائم اور مستحکم کرنے میں پیش پیش ہوں جن کا انقلابی ہونا اور سربراہِ سلطنت کو قتل کرنا ایک مسلمہ حیثیت رکھتا ہو تو کیا پھر بھی اس مخفی حقیقت کو لوگ آسانی سے پا سکتے ہیں کہ تخت کو کسی اور نے دوسرے ہی مقاصد کے لیے الٹا تھا اور تختِ سلطنت پر بیٹھ گیا کوئی اور! ـــ ہم سمجھتے ہیں ایسی توقع کرنا انسانی سرشت سے ایسا مذاق ہے جس پر ہنسی تو نہیں رونا ضرور آتا ہے۔

حقیقت اگرچہ یہی تھی کہ عثمانؓ کے قتل سے علیؓ کا دامن قطعاً پاک تھا، مگر معاویہؓ اور اہلِ شام اور بعض عشرہ مبشرہ عالم الغیب نہیں تھے کہ دور ہی دور سے حالات کی تہہ کو پہنچ جاتے۔ خصوصاً جب قصاصِ عثمانؓ کے مطالبہ پر خلیفہ تامل ظاہر کرے اور ایسا جواب دے جو شکوک و شبہات کے لیے غذا کا حکم رکھتا ہو تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ خلیفہ رابع کے فوری حکم پر معاویہؓ کو اپنی وسیع و عریض خدمات کا

دامن جھاڑ کر ایک سعادت مند غلام کی طرح مسندِ عزت سے نیچے اتر آنا چاہئے تھا۔

ہم نے جو بات نہیں کہی اور کہنا بھی نہیں چاہتے' وہ شاہ ولی اللہ کہہ گئے ہیں اور انھیں حق ہے کہ اپنے وسیع علم کی روشنی میں جو مناسب سمجھیں کہیں۔ سُنیئے:۔

"حضرت عثمانؓ کے زمانے تک اسلام ترقی پر رہا اور اس کے بعد کم ہوتا دیکھا گیا۔ معلوم ہوا کہ ان تینوں خلفاء کی خلافت خلافتِ راشدہ ہے۔"

اور "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض حدیثوں میں صاف صاف ایسے الفاظ فرما دیئے ہیں جن سے شہادتِ حضرت عثمانؓ پر خلافت بر منہاجِ نبوت کا ختم ہوتا معلوم ہوتا ہے۔" (ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۳۲ مطبوعہ مطبع سعیدی)

نظارہ کیجئے شاہ صاحب خلافتِ علیؓ کی نوعیت کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ ہم تو اب بھی یہی کہتے ہیں کہ خلافتِ علیؓ خلافتِ راشدہ ہی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض ایسے اقدامات کے نتیجے میں جو خلیفہ نے نیک نیتی ہی سے کئے تھے حالات کچھ اس طرح بگڑے کہ اضطراب و افتراق کی آندھی چل پڑی اور خلافتِ راشدہ کے مقاصدِ عالیہ اپنی تکمیل کو ترستے رہ گئے۔ لیکن خلیفہ بہرحال ایک عظیم صحابی تھا۔ اس نے خلافت کے نیک مقاصد اور آئین و دستور میں کوئی تبدیلی نہیں کی تھی اور اپنے انفرادی اخلاق و کردار کے دائرے میں اپنے پورے دورِ خلافت میں اس نے اتنا ہی پاکیزہ اور شاندار نمونہ پیش کیا تھا جتنا ایک خلیفۂ راشد کر سکتا ہے۔ ان وجوہ سے ہمارا جی نہیں مانتا کہ خلافتِ علیؓ کو خلافتِ راشدہ کے سلسلۃ الذہب سے الگ کر دیں اور یہ بھی بات ہے کہ شاہ صاحب جیسے جلیل القدر عالم کی نگاہ جن حوادث کے گہرے مفاہیم تک پہنچ گئی ہماری کوتاہ نظری کو وہاں تک رسائی نہیں اس لئے اولےٰ یہی ہے کہ ہم جمہور امت ہی کے اس عقیدے کو سینے سے لگائے رہیں کہ خلافتِ علیؓ خلافتِ راشدہ ہی تھی نہ کہ جبر و سازش سے قائم کی ہوئی استبدادی حکومت۔ ویسے حضرت علیؓ کی بلند شخصیت کو بیچ سے نکال دیجئے تو نفسِ انقلاب یقیناً اس نہج کا تھا کہ علمی اور سیاسی استدلال کی روشنی میں اسے مذموم ہی قرار دینا پڑتا ہے۔

ڈاک کے صفحات زیادہ طول کے متحمل تو نہیں ہو سکتے تاہم کچھ فرمودات اُن مجدد الف ثانیؒ کے بھی دیکھتے چلئے جنکی نامور شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں اور جن کی رائے سے اختلاف تو کیا جا سکتا ہے' لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی گواہی سے کسی موقف کو ذرا بھی استحکام نہیں مل سکتا۔

دفترِ دوم کے چھتیسویں ۳۶ مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

"اہلِ سنت صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزاعات و اختلافات کو اچھے محامل پر محمول کرتے ہیں اور خواہشِ نفسانی و تعصب وغیرہ سے دور سمجھتے ہیں' کیونکہ حضرات خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے اثر سے ان کے نفوس صاف ہو گئے تھے اور سینے عداوتوں اور کینوں سے قطعی پاک بیش ازیں نیست کہ ان میں سے ہر ایک کی ایک رائے تھی اور اپنا اپنا اجتہاد اور معلوم ہے کہ ہر مجتہد پر اپنے اجتہاد اور صوابدید کے مطابق عمل کرنا واجب ہے پس اختلافِ آراء کی وجہ سے یہ مخالفت اور منازعت ناگزیر ہوئی اور ہر ایک نے اپنی رائے کے مطابق عمل کرنا ضروری سمجھا لہذا ان کی یہ مخالفت رائے حق کی موافقت کے رنگ میں تھی نہ کہ نفسِ امارہ کی خواہش سے۔"

نیز:۔

"جن لوگوں کے حضرت علیؓ سے نزاعات ہوئے اور جنگ و قتال تک نوبت پہنچی وہ اہلِ اسلام کی بہت کثیر جماعت ہے اور ان میں سے بہت سے جلیل القدر صحابی ہیں اور ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کو دنیا ہی میں زبانِ نبوت سے جنت کی بشارت مل چکی ہے ان کی تکفیر اور علیٰ ہذا ان کو بُرا بھلا کہنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔۔۔۔ دین و شریعت کا قریباً نصف حصہ ایسا ہوگا جو انہی کی وساطت سے امت کو پہنچا ہے اگر وہ بھی مجروح و مطعون ہو جائیں تو آدھا دین

بے اعتبار ہو جائے۔"

اور اس کے بعد:-

"معلوم ہونا چاہئے یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام اختلافی امور میں حضرت علیؓ ہی برسرِ حق ہوں اور ان سے اختلاف کرنے والے ناحق پر، اگرچہ یہ مسلّم ہے کہ ان جنگوں میں حق حضرت علیؓ ہی کی طرف تھا، لیکن پھر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ ہر اختلافی معاملہ میں وہی برسرِ حق تھے ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی جگہ قرنِ اوّل کے اختلافی مسائل میں علماء تابعین ائمہ مجتہدین نے حضرت علیؓ کے مسلک کو چھوڑ کر دوسرا مسلک اختیار کیا ہے اور اس کے مطابق حکم دیا ہے حالانکہ اگر حق انہی کی جانب متعین ہوتا تو یہ حضرات ایسا نہ کرتے ۔۔۔ پس صرف حضرت علیؓ سے اختلاف کرنے کی بنا پر اعتراض کی گنجائش نہیں ہے اور ان اختلافات کرنے والوں پر طعن و ملامت کرنا روا نہیں ہو سکتا۔"

دفترِ دوئم کے مکتوب ۶۷ میں ہے:-

"اور صحابہ کرام رضی اللہ اجمعین کے درمیان جو باہمی جنگیں ہوئیں مثلاً جنگِ جمل اور جنگِ صفین ان سب کو اچھے محامل پر محمول کرنا اور خود غرضیوں و تعصبات سے دور رکھنا چاہئے یہ اکابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی تاثیر سے ہوا و ہوس اور کینہ و حرص سے پاک صاف ہو گئے تھے یہ اگر کسی سے مصالحت رکھتے تھے تو صرف حق کے لئے اور اگر کسی سے لڑتے جھگڑتے تھے تو صرف اللہ کے واسطے۔ بلاشبہ ان میں سے ہر گروہ نے اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کیا اور بغیر کسی تعصب اور خود غرضانہ جذبے کے دوسروں کو اپنے سے دفع کیا پس اُن کا حال یہ ہے کہ جس کا اجتہاد ان میں سے ٹھیک تھا اس کو دو درجے اور ایک قول کے مطابق دس درجے ثواب ملیگا اور جس سے اجتہاد میں غلطی ہوئی ایک درجہ ثواب سے وہ بھی خالی نہیں رہے گا۔ غرض جن لوگوں سے اجتہاد میں غلطی ہوئی وہ اسی طرح طعن و ملامت سے دور ہیں جس طرح کہ فریق ثانی، بلکہ جیسا بتلایا گیا وہ بھی کم از کم ایک درجہ ثواب کے مستحق ہیں۔ ہاں علماء کرام نے یہ فرمایا ہے کہ ان جنگوں میں حق حضرت علیؓ ہی کی طرف تھا اور آپ کے مخالفین سے اجتہاد میں غلطی ہوئی ۔۔۔ بایں ہمہ ان پر طعن نہیں کیا جا سکتا اور نہ کسی ملامت ہی کی گنجائش ہے کجا یہ کہ کفر یا فسق کی ان کی طرف نسبت کی جائے خود حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ان کے حق میں فرمایا ہے "یہ ہمارے بھائی ہیں جو ہم سے باغی ہو گئے ہیں نہ وہ کافر ہیں نہ فاسق، کیونکہ ان کا یہ اختلاف تاویل پر مبنی ہے جو کفر و فسق کے ہونے سے مانع ہے ۔۔۔ اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "تم مجھے میرے صحابہ کے اختلافات میں دخل دینے سے" پس ہم کو تمام اصحاب کرامؓ کی تعظیم کرنا اور سب کو اچھے لفظوں سے یاد کرنا چاہئے اور ان میں سے کسی کے حق میں بدگوئی اور بدگمانی ذکر نی چاہئے، بلکہ ان کے ان اختلافات کو دوسروں کی مصالحت سے بہتر سمجھنا چاہئے، نجات اور کامیابی کی یہی راہ ہے کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے واسطے سے ہے" ایک بزرگ (حضرت شیخ شبلیؒ) فرماتے ہیں کہ جس نے اصحاب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توقیر و تعظیم نہیں کی وہ گویا حضورؐ پر ایمان ہی نہیں لایا۔ والعیاذ باللہ۔"

دفترِ اوّل کے چھبیسویں مکتوب میں رقمطراز ہیں:-

"شیخ ابوشکور سلمی نے اپنی کتاب "تمہید" میں تصریح کی ہے کہ حضرت معاویہؓ اور صحابہ کرامؓ میں سے اُن کے وہ رفقاء جو جنگ میں ان کے ساتھ تھے اگرچہ خطا پر تھے، لیکن ان کی یہ خطا اجتہادی تھی اور ابن حجرؒ نے صواعق محرقہ میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ سے حضرت معاویہ کا نزاع اجتہاد پر مبنی تھا اور اس کو انھوں نے اہل سنت کے عقائد میں شمار کیا ہے۔"

کچھ اور آگے:-

"یہ بات صحت کے ساتھ معلوم ہے اور پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت معاویہؓ حقوق اللہ اور حقوق المسلمین دونوں کے پورا کرنے میں خلیفۂ عادل تھے۔"

اس کے بعد:۔

"اور احادیث نبویہ میں ثقہ راویوں کی سند سے وارد ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب معاویہؓ کے حق میں دعا فرمائی کہ "اے اللہ اس کو کتاب و حساب کا علم دے اور عذاب سے بچا" اور ایک اور موقع پر حضرت نے انہیں کے لئے دعا فرمائی کہ "خداوندا! اس کو ہادی و مہدی بنا" اور حضورؐ کی دعا بلاریب مقبول ہے۔"

پھر چند سطر آگے:۔

"اور امام مالک جو تابعین میں سے ہیں (؟) اور اپنے زمانے میں مدینہ کے سب سے بڑے عالم تھے ان کا فتویٰ ہے کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے رفیق عمرو بن العاص کو گالی دینے والا واجب القتل ہے۔ اور نیز امام مالک نے حضرت معاویہؓ کی گالی کو حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کی گالی کے حکم میں قرار دیا ہے (یعنی ان کے نزدیک ان دونوں جرموں کی سزا قتل ہے)۔۔۔ اے بھائی! یہ معاملہ تنہا امیر معاویہؓ کا نہیں ہے قریباً نصف صحابہ کرامؓ ان کے ساتھ اس معاملہ میں شریک ہیں۔ پس اگر حضرت علیؓ سے جنگ کرنے والوں کو کافر یا فاسق کہا جائے تو آدھے دین سے ہاتھ دھونا پڑے گا جو انہی حضرات کی نقل و روایت سے ہم تک پہنچا ہے اور اس انجام سے کوئی ایسا زندیق اور ملحد ہی راضی ہو سکتا ہے جس کا مقصد ہی دین کو برباد کرنا ہو۔ امام غزالیؒ نے تصریح کی ہے کہ حضرت معاویہؓ کی وہ جنگ خلافت کے بارے میں نہیں تھی، بلکہ اس کا تعلق بھی حضرت عثمانؓ کے قصاص ہی سے تھا۔ اور شیخ ابن حجرؒ نے بھی اسکو اہل سنت کے عقائد سے لکھا ہے۔"

حاصل کیا نکلا؟ یہی نا کہ حضرت معاویہؓ کے اقدام جنگ اور عدم اطاعت کو کسی ایسے لفظ سے تعبیر کرنا غلط ہوگا جو تضلیل، تفسیق اور تضلیل کا مفہوم دیتا ہو۔ ہمارا بھی ذہن وہی ہے جو مجدد الف ثانی کا ہے۔ یعنی معاویہؓ سے اجتہادی غلطی ہوئی۔ غلطی اس معنی میں کہ جس قتلِ عثمانؓ کے جرم میں حضرت علیؓ فی الحقیقت شریک نہیں تھے۔ انھوں نے ان پر شرکت کا شبہ کیا۔ یا کم سے کم یہ باور کرلیا کہ علیؓ اس حادثہ پر طوعاً یا کرہاً رضامند ہو گئے ہیں۔ یا اس سے بھی کم یہ کہ وہ اس سے اتنے متاثر نہیں ہوئے جتنا ہونا چاہئے تھا۔ ایسا شبہ چونکہ خلاف واقعہ تھا اس لئے اس کی بنیاد پر جو بھی اجتہاد ہوگا غلط ہی ہوگا۔ اسی لئے عموماً تسلیم کیا گیا ہے کہ اجتہادِ علیؓ کے بالمقابل اجتہادِ معاویہؓ ناصواب رہا۔ لیکن اس وقت کے حالات میں اجتہاد کی غلطی اتنی اضطراری بلکہ ناگزیر تھی کہ سوائے نبی کے دنیا کا ہر وہ شخص یہی غلطی کرتا جو معاویہؓ کی جگہ ہوتا۔ آدمی اپنی طاقت ہی کی حد تک مکلف ہے معاویہؓ اور اہل شام کہاں سے وہ غیب رس اور بے خطا نگاہ لے آتے جو حالات کی آہنی دیواروں کا سینہ چیر سکتی۔ وہ کیسے باور کر لیتے کہ کل جس تخت خلافت کو خلیفۂ ثالث کے خون سے رنگین کیا گیا ہے آج اس پر بیٹھنے والا خلیفہ اس ظلم کی ذمہ داری سے بالکل بری ہے۔ پھر بھی انھوں نے براہ راست الزام نہیں لگایا تھا بلکہ قصاص کا مطالبہ کرکے خلیفہ کو موقع دیا تھا کہ اپنی برأت کا مظاہرہ کر سکے، لیکن خلیفہ ایسے حالات کا شکار رہتا کہ اس مطالبہ کا پورا کرنا اس کے لئے عملاً سخت دشوار تھا۔ اگر وہ نبی ہوتا تو ضرور اللہ اسے وحی کے ذریعہ ایسی راہوں سے آگاہ فرماتا جن پر چل کر فتنے دب جاتے مگر وہ صرف صحابی تھا۔ اس نے خلوص اور عزم و جرأت کے ساتھ وہی راہ اختیار کی جو اس کے تدبر نے دکھائی اور اسے تقدیر ہی کہئے کہ یہ تدبر مات کھا گیا' یہ راہ سلامتی کے عوض ہنگامہ و فتن کی وادی میں مڑ گئی۔

اب آئیے یہ بھی مان کر دیکھیں کہ خلافت علیؓ آئینی حیثیت سے منعقد ہو ہی گئی تھی۔ چلئے مان لیا۔ تو کیا خلیفہ آمر مطلق ہوتا ہے یا شاورھم فی الامر کے حکم قرآنی کا بھی اس سے کوئی مطالبہ ہے۔ خلافت اگر ڈکٹیٹر شپ نہیں ہے اور مشورت کا اس میں کوئی مقام ہے تو بتایا جائے کہ عزلِ معاویہ کے اہم ترین بلکہ انقلابی

اقدام کے بارے میں حضرت علیؓ نے کس کس اہل الرائے سے مشورہ کیا تھا؟ — ہمیں تو تاریخوں میں یہ ملتا ہے کہ اس وقت کے مدبر اور نکتہ رس صحابہ نے اس اقدام کی تائید نہیں کی تھی، بلکہ خاصی شدت کے ساتھ نکتہ چینی ہی کی تھی اور زور دیا تھا کہ عزلِ معاویہؓ اگر ضروری ہی ہو تب بھی فی الوقت صبر کیا جائے جب حالات سازگار ہوں گے دیکھا جائے گا۔ لیکن حضرت علیؓ نے نہیں مانا وہ غالباً اپنے پیشرو خلفاء کی سیرت کا تتبع کرنا چاہتے تھے۔ ان کا ذہن شاید یہ تھا کہ جب ابوبکر صدیقؓ نے سیاسی و انتظامی نزاکتوں کی پروا کئے بغیر اسامہ بن زید کا لشکر روانہ کر دیا تھا اور مانعینِ زکوٰۃ پر داروگیر کرنے میں ظاہری حالات کی پروا نہیں کی تھی اور عمر فاروقؓ نے خالد جیسے بے مثال کمانڈر کو یک لخت عین میدانِ جنگ میں معزول کر دیا تھا —— تو میں کیوں ظاہری حالات کے تقاضوں کا غلام بنوں اور اللہ کے بھروسے پر وہ اقدام نہ اٹھاؤں جسے درست سمجھ رہا ہوں۔ یہ ذہن ظاہر ہے مومن ہی کا ذہن تھا اور اس کے متعلق ہوتے اجتہاد کو ہم اس لئے باصواب کہیں گے کہ حضرت علیؓ ہرگز اس سازش میں شریک نہیں تھے جس کی شرکت کا ان پر شبہ کیا جا رہا تھا۔ وہ اس شبہ کی حد تک مظلوم بھی تھے اور غصہ کرنے کے مستحق بھی لیکن یوں بھی سوچئے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کے اقدامات اور اقدامِ علیؓ میں تفصیلات کی بھی کافی مطابقت ہے کہ نہیں؟ تاریخ بتاتی ہے کہ ابوبکرؓ اپنے دونوں ہی مذکورہ اقدامات میں چاہے ابتداءً تنہا ہی رہے ہوں، لیکن ان کو جامۂ عمل اس وقت پہنایا گیا جب اہل الرائے صحابہ ان کے ہمنوا ہو گئے تھے۔ ابوبکرؓ کی اصابتِ رائے کے کیا کہنے۔ دوسرے ان جیسے ژرف نگاہ نہ تھے اس لئے شروع میں حیران ہوئے مگر جلد ہی دل کا دریچہ کھل گیا، اور حیرت کی جگہ تسلیم و اتفاق نے لے لی۔ اسی طرح عزلِ خالدؓ میں بھی ایک ایسا نکتہ ہے جو اس واقعہ کو اقدامِ علیؓ سے ممتاز کرتا ہے۔ خالد کی جنگجویانہ صلاحیتوں اور قائدانہ بیش رفتیوں نے فوجوں کے دل میں یہ یقین بٹھا دیا تھا کہ خالدؓ فتح کی ضمانت ہیں۔ کتنے ہی واقعات ہیں جن میں یہ یقین صاف طور پر نمایاں ہوتا ہے۔ بالغ نظر خلیفہ تاڑ گیا کہ یہ یقین تو دراصل اس اساسی عقیدہ و تصور ہی کا حریف ہے جس پر خلافت علیٰ منہاج النبوت کا سارا کاروبار چل رہا ہے اور چلنا چاہئے۔ ہر کامیابی و ناکامی کو خدا ہی کی طرف سے سمجھنا اور اسباب و وسائل کو اصل قوت کا رتبہ یا کا درجہ نہ دینا ہی وہ اہم ترین بنیادی عقیدہ ہے جس پر اسلامی حکومت و سیاست کی عمارت اٹھتی ہے۔ خلافتِ راشدہ کے سپاہی ہر معاملہ میں اللہ ہی پر نظر رکھتے ہیں اور افراد یا وسائل و ذرائع کو محض ثانوی درجہ دیتے ہیں۔ یہ ترتیب الٹ جانا ایک اتنا بڑا فساد تھا جسے نظر انداز کیا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ خلیفہ کی کلائی کمزور ہوتی تو شاید وہ فوری اقدام کا مکلف بھی نہ ہوتا لیکن جب مبدءِ فیض سے نوازی سطوت و قوت اور چٹانوں کے جگر چیر دینے والا رعب و دبدبہ ملا ہوا ہو تو ایک ہولناک فتنے کے خلاف فوری اور جرأت مندانہ اقدام نہ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ علاوہ ازیں ایک اور بھی خصوصیت ہے جس میں عمر فاروقؓ کا کوئی سہیم نہیں۔ جوہرِ مردم شناسی تاریخ گواہ ہے کہ نگاہِ فاروقی آدمی کی رگ رگ میں اتر جانے کی حیرت انگیز صلاحیت رکھتی تھی۔ اڑتی چڑیا کے پر گنتا تو بس کہاوت ہی ہے مگر حضرت عمرؓ کا ہر شخص کی کتابِ فطرت کو فرفر پڑھ ڈالنا تاریخ کا ناقابلِ تردید واقعہ ہے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے خالد کی سرشت کیا ہے اور ان پر حکمِ عزل کا کیا ردِعمل ہوگا۔ فیصلہ واقعات نے کر دیا کہ ان سے چوک نہیں ہوئی۔ ہو بھی جاتی تو وہ اتنے بے بس بھی نہیں تھے کہ نتائج سے نمٹ نہ سکتے۔ ایک ہوشمند آدمی جب وار کرتا ہے تو جوابی وار کا بھی لحاظ رکھتا ہے۔ خالد اگر اطاعت سے انکار کرتے اور فوجوں کے کچھ حصے کو بھی اپنے ساتھ ملا لینے میں کامیاب ہو جاتے تو سیاسی بصیرت کہتی ہے کہ خلافتِ عمرؓ کا وہ حشر نہیں ہوتا جو خلافتِ علیؓ کا ہوا۔ عسکری بصیرت رکھنے والا کوئی بھی شخص عزلِ خالد کے وقتِ خاص کی اس عسکری تنظیم اور دروبست پر نظر ڈال کر دیکھ لے جسے فاروقی تدبر نے ظہور دیا تھا تو اس کے سوا کوئی فیصلہ نہ کرے گا کہ خدانخواستہ اگر خالد سرتابی کرتے تو بہ ہمہ مقبولیت و شجاعت پسپا ہی ہوتے۔ فاروقی اقتدار کی جڑیں بہت گہری تھیں۔

ایک اور اہم واقعہ دورِ عمرؓ میں ملتا ہے۔ جب نئی مفتوحہ زمینوں کے بارے میں حضرت عمرؓ نے اب تک کے معمول اور توارث کو بدلنا چاہا اور مجاہدین میں بانٹ دینے کے عوض انہیں اسٹیٹ کی ملکیت قرار دینے کا ارادہ کیا تو اس رائے میں ابتداءً

وہ تنہا تھے۔ جب شہادت کا مرحلہ آیا تو صحابہ کی بڑی اکثریت اس کے خلاف رہی۔ اس پر حضرت عمرؓ اگر اختلاف کی پروا کئے بغیر آمرانہ طور پر حکم کا اجرا فرما دیتے تو حیرت کی بات نہیں تھی کیونکہ انھیں اپنی رائے کی صحت و افادیت پر شدومد کے ساتھ وثوق تھا۔ لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا' بلکہ استدلال کے ذریعہ آراء کو ہموار کرنے کی کوشش کی اور آخر کار طویل غور و فکر اور بحث و نظر کے بعد وہ ایک آیت قرآنی ایسی لے ہی آئے جس نے مخالفین کے مخلصانہ اختلاف کو اتفاق میں بدل دیا اور اقدامات صدیقی کی طرح اقدام فاروقی بھی اس وقت زود لکار آیا جب کافی اہل الرائے ہمنوا ہو چکے تھے۔

مگر عزلِ معاویہؓ کے باب میں یہ گوشے کہیں دکھائی نہیں دیتے۔ نہ تو معاویہؓ کا وجود خالدؓ کی طرح کسی اہم تر اساسی عقیدہ تصوف کا حریف بن گیا تھا نہ اہل الرائے اصحاب فیصلہ علوی سے متفق ہو سکے تھے۔ نہ ہی اس فیصلے کے ردِ عمل کا اندازہ ٹھیک لگ سکا۔ نہ معاویہؓ کے مزاج و طبیعت اور اہل شام کے خیالات سمجھنے میں حضرت علیؓ کی نگاہِ رسا حضرت فاروقؓ کی ژرف نگاہی کی ہمسری کر سکی۔ حالانکہ حضرت موصوف کرم اللہ وجہہ کچھ معمولی ذہانت و تدبر کے آدمی نہ تھے۔ اگر پیچ در پیچ ہنگامی حالات انھیں ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچنے کی مناسب مہلت دیتے تو ان کی نظر ضرور اس تاریخی حقیقت تک پہنچ جاتی کہ ہر ہر عامل سے کڑا محاسبہ کرنے والے عمر فاروق معاویہ ہی کو نظر انداز کرتے چلے گئے ہیں۔ حالانکہ معاویہؓ کے طرزِ عمل اور رہن سہن اور پالیسی میں چند امور ایسے تھے کہ ان میں کا بس ایک بھی احتساب فاروقی کے لئے دعوتِ عمل بن سکتا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امارت و خلافت کتنی برتر مصلحتوں کی متقاضی ہوتی ہے اور امیر و قائد کے اندازے کتنے جچے تلے ہو جاتے ہیں۔ ثمراتِ آخرت کی بات اور ہے لیکن دنیا میں تو اللہ تعالیٰ نے ثمرات کو نیت اور خواہش کے نہیں اسباب و علل ہی کے تابع کر دیا ہے۔ اسباب و علل کی منطق سمجھنے میں جہاں چوک ہوئی رنگ پلٹ گیا۔

ہم تو قصاص عثمانؓ کے مطالبے کو معرض التوا میں ڈال دینے کی تعبیر حضرت علیؓ کی معذوری اور حالات کی ناسازگاری سے کرتے ہیں مگر شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے تو صاف فرما دیا:-

"قصاص لینا حق ہے اور حضرت علی مرتضیٰ اس پر قدرت رکھتے تھے کہ عثمانؓ کا قصاص لے سکتے' لیکن انھوں نے قصاص نہیں لیا' بلکہ قصاص کی راہ میں رکاوٹ بن گئے۔ حضرت علیؓ بھی اجتہادی خطا کے مرتکب ہوئے۔"

(ازالۃ الخفاء ج ۲ صفحہ ۲۸۹ طبع اولیٰ)

دیکھ لیجئے شاہ صاحب کتنے وثوق سے کہہ رہے ہیں کہ خونِ عثمانؓ کا قصاص لینا حضرت علیؓ کے لئے عملاً ممکن تھا۔ مگر قصاص لینے کے عوض انھوں نے طالبین قصاص کے مطالبہ پر ہمدردانہ توجہ تک نہ دی اور الٹا سدِّ راہ بن گئے ـــــ اگر یہ درست ہو تو حیرت ہے کس دلیل سے معاویہ اور ہزاروں طالبانِ قصاص پر اطاعتِ علی کو فرض قرار دے کر انھیں غداروں کی صف میں لاکھڑا کیا جاتا ہے۔ قصاص تو قرآن کا حکم صریح ہے۔ بھر عثمانؓ جیسے خلیفۂ جلیل کے خون کا قصاص۔ اگر حضرت علیؓ کے نقطۂ نظر سے حالات واقعی اتنے اُلجھ گئے تھے کہ قصاص لینا عملاً ممکن نہ تھا تو ضرورت تھی کہ وہ اپنے نقطۂ نظر کو برہان و دلیل کے ساتھ پیش کرتے تاکہ شہید عثمانؓ کے غم اور قاتلین کی نفرت سے سُلگتے ہوئے دل و دماغ اس بدگمانی میں مبتلا نہ ہو جاتے کہ علیؓ تو قرآن کا بھی پاس نہیں کرتے۔ بات کچھ ایسی پیچیدہ نہ تھی کہ بالغ نظروں کو نظر نہ آتی۔ حضرت طلحہؓ نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اے علی! اگر تم نے قصاص سے درگذر کیا تو نہ تمھاری حکومت قائم رہ سکتی ہے نہ نظامِ حکومت۔

لیکن اللہ جانتا ہے کہ حضرت علیؓ نے کیوں اپنے بہترین بہی خواہوں کے مشورے اور حالات کے صریح تقاضے کو پس پشت ڈال کر ایک ایسے حکمراں کا طرزِ عمل اختیار کیا جو اپنی ہی رائے کو حرفِ آخر قرار دیتا ہے خواہ دوسرے کچھ کہتے رہیں۔ جہاں تک اندازے کا تعلق ہے ہم عرض کر ہی چکے ہیں کہ حضرت علیؓ کا ذہن کیا رہا ہوگا۔ قدرت کا عجیب کرشمہ ہے کہ ایسے ہی طرزِ عمل نے حضرت علیؓ کو گوناگوں آزمائشوں سے دوچار کر کے ہزیمت سے دوچار کرایا اور کم و بیش ایسی ہی نوعیت کے طرزِ عمل نے ان کے عالی قدر صاحبزادے حضرت حسینؓ کو

بیکسی کے المناک انجام تک پہنچایا۔ آج بھی ایکے بہی خواہوں
اور بالغ نظر صحابیوں نے پیشگی ہی کہدیا تھا کہ کوفے جاؤ گے تو
زندہ نہیں لوٹ سکو گے اور اپنے گھر کو اپنی ہی آنکھوں سے لٹتا
دیکھو گے مشیت کے فیصلے اٹل ہیں۔ کون ہے جو اس کی حکمتوں
کا احاطہ کر سکے۔ علی اور حسین رضی اللہ عنہما دنیا میں بلا سے ہار
گئے ہوں مگر آخرت میں انشاء اللہ خسارے میں نہیں رہ سکتے۔

شاہ ولی اللہؒ نے یہ بھی تشریح فرمایا ہے خلافت علیؓ
مقاصد خلافت کو پورا نہ کر سکی جب کہ خلافت معاویہ نے انھیں
بلاشبہ پورا کیا۔ تاریخ بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔ نہ دور علیؓ
میں کفار سے جہاد ہوا' نہ مملکت اسلامیہ کی حدیں بڑھیں' نہ
عامۃ الناس کو امن و سکون کی نعمت میسر آسکی۔ آپس ہی میں
خون کی ہولی کھلتی رہی۔ اس کے برعکس خلافت معاویہ کا
رنگ ڈھنگ کچھ اور ہی رہا جس کی تفصیل یہاں باعث طوالت
ہوگی۔ جس کا جی چاہے تاریخ اٹھا کر دیکھ لے۔

اس تفصیل کے بعد یہ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی
کہ حضرت معاویہ پر حضرت علیؓ کی اطاعت شرعاً واجب ہے
کا خیال ایک ایسا مغالطہ ہے جس میں لوگ اگرچہ نیک نیتی سے
گرفتار ہوئے ہیں' لیکن جذباتی جنبہ داری نے انھیں بے لاگ
انصاف اور حکم شریعت کے ٹھیک ٹھیک انطباق سے معذور
کر دیا ہے۔ شریعت میں یہ کس جگہ آیا ہے کہ گورنر تو فرمان شاہی
سنکر بلا ادنیٰ تامل اپنی طویل خدمات کا دامن جھاڑ دے اور
اپنے جملہ حقوق سے دست بردار ہو جائے' لیکن خلیفہ عزل و نصب
کے احکام جاری کرنے میں اتنا عجلت پسند ہو جائے کہ انعقاد
خلافت تک کے ضروری شروط و قیود کی پرواہ نہ کرے اور یہ نہ
دیکھے کہ جس کشتی کو وہ طوفان میں کھینے چلا ہے اس میں جان کتنی ہے

خلیفہ ثالث کی شہادت کا خانوادۂ ہاشمی پر اشتباہ
صرف اس لئے نہیں تھا کہ اس خاندان کے کسی نوجوان کو حرکت نہ
آیا تھا۔ یہ وجہ تو ایک دلیل زائد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اصل اسباب
وہی تھے جن کا ہم بیان کرتے چلے آئے ہیں۔ ہاشمی خاندان کا
اپنے آپ کو نسل و نسب کی بنیادوں پر مستحق خلافت سمجھنا۔ پھر اس
خاندان کی موجودگی ہی میں اشرار کا دور دراز سے چڑھ کر آنا'
حضرت عثمانؓ کو بیدردی سے شہید کرنا اور تخت اقتدار پر
قبضہ کر کے حضرت علیؓ کو اس پر لا بٹھانا۔۔۔ پھر انقلابیوں کے
معروف سرغنے مالک اشتر کا تلوار لئے ہوئے پر دعوت بیعت
دینا اور متعدد صحابہ کا اس زور اور زبردستی کی بیعت کو موقع
ملتے ہی فسخ کر دینا۔۔۔ پھر ام المومنین حضرت عائشہؓ اور دیگر
اصحاب جلیل کی طرف سے قصاص کا مطالبہ اور حضرت علیؓ
کا اس پر ایسا جواب دینا جو شک و شبہ کی فضا میں لازماً غلط
ہی معنی میں لیا جاتا۔۔۔ یہ تھے کھلے قرائن جو ہاشمی خانوادے
کو عوامی اشتباہ کا ہدف بنا گئے۔ حضرت عائشہؓ یا امیر معاویہؓ نے
اگر قصاص کا مطالبہ کیا تو گناہ نہیں کیا۔ یہ تو قرآن کا حکم تھا
خلیفہ کے لئے قرآن کو پس پشت نہیں ڈالا جا سکتا۔ یہ تو نقطۂ نظر
کی بات ہے کہ آپ مطالبۂ قصاص اور اس کے عواقب و
نتائج کو عسکری بغاوت یا غداری یا کسی بھی لفظ سے تعبیر
کر لیں' لیکن حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ معاویہؓ کو شرعاً
اس بات کا حق تھا کہ قصاص کے مطالبۂ شرعی میں جہاں تک
بھی جانے کی اجازت ان کا اجتہاد و تدبر دے وہاں تک چلے جائیں
چاہے اس کا نتیجہ خونریزی ہی ہو۔

میرے اس کہنے پر کہ اگر کسی میں خلیفہ کی آنکھوں میں آنکھیں
ڈال کر بات کرنے کا کس بل ہو تو دین اور دنیا کا کونسا قانون اسے
مجبور کرتا ہے کہ وہ آنکھیں بند کر کے گردن تسلیم جھکا دے۔ آپ نے
اسی لگے بندھے نقطۂ نظر سے نقد کیا ہے جس کا نقص میں واضح
کرتا آرہا ہوں۔ صوبیداروں کو علی الاطلاق بغاوت کا لائسنس
دینے کی بات دلچسپ ضرور ہے' لیکن میرے بیان کردہ اصول سے
اسے یوں ہی اخذ نہیں کیا جا سکتا۔ میں گفتگو ایسے حالات کے پس منظر
میں کر رہا ہوں جہاں مملکت کے عوام و خواص کی عظیم اکثریت نئے
خلیفہ کو دستور مملکت سے روگرداں اور مشتبہ سمجھ رہی ہے۔ خلافت
کا دستور قرآن و سنت کے سوا کیا تھا۔ قرآن ہی قصاص کو لازم و
واجب قرار دے چکا ہے تو کسی خلیفہ کو اس میں تساہل یا روگردانی کا
حق کیسے پہنچ سکتا ہے؟ لوگ یہی سمجھ رہے تھے کہ علیؓ جان بوجھ کر
قصاص سے پہلو تہی کر رہے ہیں اور یہ سمجھنے کے لئے ان کے پاس وہ

ظاہر فریب لیکن قوی تر دلائل تھے جن کا ذکر آچکا ہے۔ پھر "مستبد" ہونے کا شبہ بھی غیر منطقی نہیں تھا کہ شہادتِ عثمانؓ کے فوراً بعد گروہِ قاتلین کی پشت پناہی کے ساتھ علیؓ کا برسرِ خلافت آنا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

اگر اسلامی حکومت کا کوئی صوبے دار یہ دیکھے کہ نیا خلیفہ بنیادی دستور ہی کو بے اہمیت بنائے دے رہا ہے تو چاہے یہ دیکھنا حقیقت میں فریبِ نظر ہی ہو لیکن اس کا فرض ہو جاتا ہے کہ اس عظیم فساد کی اصلاح میں فکرمند ہو اور طاقت پائے تو کبھی اس کے آگے سرِ تسلیم نہ جھکائے۔ اطاعتِ امیر بے شک بڑی چیز لیکن، لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق ہر چیز سے بالاتر ایک لازوال کلیہ ہے۔ معاویہؓ اگر یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ علیؓ قصاص کے حکم قرآنی کو اس کی حقیقی اہمیت سے محروم کئے دے رہے ہیں اور خلافت کا پہلا ہی قدم بنیادی دستور کی مخالف سمت میں اُٹھ رہا ہے اطاعتِ علیؓ کا قلادہ اپنی گردن میں ڈال لیتے تو شریعت کو مجبوراً کہنا پڑتا کہ وہ گنہگار ہوئے۔ جو شخص خلیفہ کو آئین و دستور کی مخالف سمت جاتا دیکھ رہا ہو اور اللہ نے اسے اتنی طاقت بھی دی ہو کہ خلیفہ کو ٹوک سکے وہ اگر نہیں ٹوکے گا تو مستحقِ عذاب ہوگا چاہے فی الحقیقت خلیفہ ٹھیک ہی سمت جا رہا ہو اس لئے کہ مجتہد اپنے اجتہاد پہ عمل پیرا ہونے کا مامور ہے چاہے وہ اجتہاد غلط ہی کیوں نہ ہو۔ یہ دراصل نیت اور جذبے کا معاملہ ہے۔ خطائے اجتہادی کے باوجود اپنے اجتہاد پر عمل پیرا ہونا یہ بتاتا ہے کہ مجتہد اپنے علم و فہم کی حد تک حق کا متبع اور احکامِ شرعیہ کا فرمانبردار ہے۔ اس کی نیت میں فساد نہیں۔ بس یہی چیز ہے جو اللہ کے یہاں محمود و محبوب ہے۔ اور جو مجتہد ایک اجتہاد کو درست سمجھنے کے باوجود اس کے تقاضے پورے نہ کرے وہ اطاعتِ حق میں متساہل اور بزدل سمجھا جائے گا۔ معاویہؓ بزدل نہیں تھے، متساہل بھی نہیں تھے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اطاعتِ امیر کا اصل منشاء اطاعتِ حق ہے نہ کہ ذاتِ امیر کی اطاعت۔ پھر کیسے ذاتِ امیر کی اطاعت کی خاطر وہ اس دستور و آئین سے بے وفائی کر جاتے جس کی وفاداری تقریباً بیس سالہ طولِ دعرض رکھتی تھی اور جس کا مختصر نام "حق" تھا۔

کون کہتا ہے نزاعی معاملہ میں معاویہؓ نے خدا اور رسول کو حج ماننے سے انکار کیا اور جنگِ صفین اس لئے پیش آئی کہ وہ خدا اور رسول کے فیصلے کو قبول نہیں کرنا چاہتے تھے۔ یہ ایسا الزام ہے جس کے لئے تاریخ میں کوئی برہان نہیں۔ قرآن سروں پر اٹھانے کے بعد بھی امن قائم نہ رہنا اور دورانِ جنگ میں بعض بدعنوانیوں کا سامنے آنا ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ہر غدر و معصیت کی ذمہ داری معاویہؓ ہی کے سر ہے۔ سبائی کارندے جو کچھ کر گذرے ہیں اس کی پوست کندہ حقیقت تاریخ کیسے بتائے کہ سبائیوں کے سر پر سینگ نہیں تھے۔ وہ مسلمان ہی بن کر اپنا پارٹ ادا کر رہے تھے اور یہ انھی کی ریشہ دوانی تھی کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کو جنگِ جمل میں وہ کچھ پیش آگیا جو ہرگز پیش نہ آتا اگر مسلمان نما کافر فوجوں میں غلط ملط نہ ہو گئے ہوتے۔ ہمیں بتاؤ خود معاویہؓ نے جنگِ صفین میں وہ کونسا ناجائز قدم اُٹھایا جس کی کوئی اچھی تاویل شرعی اعتبار سے ہو ہی نہ سکتی ہو۔ ہم سے صاف صاف کہو معاویہؓ نے فلاں گناہ کیا۔ یہ علی الاطلاق اطاعتِ امیر کا سبق ہمارے لئے ناقابلِ فہم ہے اور یہ بھی ناقابلِ فہم ہے کہ حضرت علیؓ کا شاورہم فی الامر کی جمہوری اسپرٹ کے خلاف عزلِ معاویہ کا فوری اقدام اٹھانا اتنا مطابقِ شرع اور حق پسندانہ تھا کہ جس نے اسے نامناسب سمجھا گمراہ ہوا۔

"مرکز" کی وفاداری برحق۔ مگر سوال تو یہی ہے کہ مرکز قائم کب ہو سکا تھا۔ قاتلوں اور جباروں کے ایک گروہ نے عثمانؓ کو شہید کر کے علیؓ کو تختِ خلافت پر لا بٹھایا اور جب علیؓ سے کہا گیا کہ شہیدِ عثمانؓ کا قصاص لو تو انھوں نے حالات کی پیچیدگی کا حوالہ دے کر بات التوا میں ڈال دی۔ پورا شام چیخ رہا ہے۔ خود حجاز میں ہزاروں عوام و خواص بیعت سے گریزاں ہیں۔ حضرت عائشہؓ تک اتنی برگشتہ خاطر ہیں کہ علیؓ سے جنگ کے لئے نکل کھڑی ہوئی ہیں۔ طوفان برپا ہے، اضطراب و انتشار کے بادل گرج رہے ہیں۔ پھر بھی آپ کو اصرار ہے کہ "مرکز" قائم ہو گیا!

بات یہ ہے کہ علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے معاملہ میں بے لاگ نقد جبھی ممکن ہے جب ناقد پہلے اُن جذباتی تعصبات کو الگ رکھ دے جن کی عینک کبھی حقیقت کو جوں کا توں نہیں دکھاتی۔

حضرت علیؓ بہ شک بڑے مرتبے والے تھے۔ ان کی عظمت پر فلک ہفتم بھی رشک کر سکتا ہے۔ ان سے دشمنی تو درکنار ان کی رفعت منزلت میں ذرا سا شک بھی نہایت درجہ بدنصیبی ہے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معزز داماد تھے۔ خیبر کے فاتح تھے۔ بدر و احد کے مجاہد تھے۔ ولی کامل تھے۔ فہم و فراست کے مخزن تھے بہت کچھ تھے لیکن بایں ہمہ انسان تھے ـــــ انسان جو نبی نہ ہو تو اس کے اجتہاد و تدبر کو حرف آخر نہیں مانا جا سکتا۔ جو غلطی بھی کر سکتا ہے اور دھوکہ بھی کھا سکتا ہے۔ جو آنکھیں بند کر کے مطاع و منقاد نہیں تسلیم کیا جا سکتا۔ نقد کرنا ہو تو علیؓ کے تمام مناقب کو ان کے اپنے خانے میں رکھ کر صرف احوال و واقعات سے بحث کیجئے اور ایک عادل جج کی طرح محض یہ تصور کیجئے کہ علیؓ اور معاویہؓ عدالت کے احاطے میں فقط دو انسان ہیں۔ ان کے کسی فعل کو ان کے ذاتی اوصاف و مناقب کی بنیاد پر نہیں بلکہ حقائق و واقعات اور منطق کی اساس پر غلط یا صحیح قرار دیا جائے گا۔ معاویہؓ سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ تم تو اس ابوسفیانؓ کے بیٹے ہو جو فتح مکہ کے وقت ڈر کے مسلمان ہو گیا تھا اسلئے تمہاری سرکشی غداری قرار دی جاتی ہے اور علیؓ سے یہ نہیں کہا جائیگا کہ تم رسول اللہ صلعم کے بہترین داماد ہو اس لئے تمہارے ہر اجتہاد و اقدام کو عین صواب مانا جائے گا۔

ویسے ہمارا آپ کا جج بن بیٹھنا اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو عدالت خیال میں فریقین بنا ڈالنا ایسی نا روا جسارت ہے کہ درّوں سے ہماری پیٹھ ٹھونک دینی چاہئے۔ ہمیں کیا حق ہے کہ تقریباً بارہ سو سال بعد رسول اللہ صلعم کے بعض محترم اصحاب میں سے ایک کو برسر حق اور ایک کو مجرم ثابت کرنے بیٹھیں اور تاریخی واقعات کو صحیفۂ آسمانی تصور کر لیں چاہے ان کی بعض تفصیلات سے قرآن کا توثیق فرمودہ کردار صحابہ مجروح ہوتا ہو۔ ہمیں کچھ بھی حق نہیں سوائے اس کے کہ ہر صحابی کے لئے دلوں میں عقیدت اور حسن ظن پرورش کریں اور ان کے ہر فعل و عمل کی اچھی توجیہہ نکالنے میں کوشاں ہوں۔ بفضلہ تعالیٰ ہمیں اندیشہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تنقید علی الصحابہ کے جرم میں ہمیں سزا دیں گے کیونکہ وہ ہمارے باطن کو دیکھ رہے ہیں کہ ہمارا مقصد خدانخواستہ حضرت علیؓ کی تقلیل و تنقیص نہیں بلکہ حضرت معاویہؓ کے دامن صحابیت سے ان چھینٹوں کو دھونا ہے جو دنیا ناحق ان پر ڈالتی ہے۔ ہماری نظر میں صحابیت عظمت پیغمبر کے حصار کا درجہ رکھتی ہے۔ نبوت کے قصر کی فصیلیں صحابیت ہی کے رنگ و روغن سے زینت پاتی ہیں۔ الغرض صحابیت کا طلائی حصار اگر ٹوٹ جائے تو پیغمبر کی آبرو تک ہاتھ پہنچنا آسان ہو جاتا ہے۔ بس یہی چیز ہمیں رہ رہ کر مجبور کرتی ہے کہ کسی بھی صحابی کا کردار اگر نامناسب طور پر مجروح کیا جا رہا ہو تو ہم سینہ سپر ہو جائیں۔ ہمارا ہر تبصرہ اور نقد صحابہؓ کی طرف سے مدافعت ہی کی ایک ڈھال ہے۔

جنھوں نے خیال کیا کہ حضرت علیؓ کو ہم نے ان کے مقام سے گرا دیا۔ انھوں نے غلط سمجھا۔ حضرت علیؓ ہی کے بارے میں کوئی دریدہ دہنی کرے تو دیکھئے گا کہ اس کے منہ میں بھی ہم لگام دینے کی کوشش کریں گے۔ الصحابۃ کلھم عدول۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔

سوال :- از محمد حسن۔ کلکتہ — حسینؓ و یزید

گوجرانوالہ کا ایک اخبار "رضائے مصطفیٰ" نظر سے گذرا آپ تک تو کہاں پہنچا ہوگا۔ اس میں یزید نوازی کے عنوان آپ کی خوب خبر لی گئی ہے۔ لکھتے ہیں :-

"یزید پلید فاسق فاجر اور نالائق بدکار تھا۔ سرکار عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ نے اسی بنا پر اسکو نااہل قرار دیا اور محض تحفظ دین کے لئے گلا کٹا دیا۔ مگر اسکے ہاتھ میں ہاتھ نہ دیا کیونکہ اگر آپ یزید کی بیعت کر لیتے تو اس کی ہر بدکاری کے جواز کے لئے امام کی بیعت سند ہوتی اور شریعت اسلامیہ و ملت حنفیہ کا نقشہ مٹ جاتا۔ آپ کا اس پلید کی بیعت سے انکار اور بے مثال ایثار ایمانی غیرت و جذبۂ اسلامی کے تحت محض حمایت دین اور اعلاء کلمۃ الحق کیلئے تھا۔ مگر ہائے افسوس یزیدی ٹولے نے آج اس واضح و روشن حقیقت پر پردہ ڈالنے اسکو

جھٹلانے اور دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش میں مصروف ہیں کہ یزید کوئی ایسا برا آدمی نہیں تھا۔ امام عالی مقامؓ کا اس کے خلاف "خروج" محض دنیاوی جذبہ، خاندانی رقابت اور یزید سے خلافت کا تاج چھیننے کے لئے تھا۔ چنانچہ ہمارے ہاں ماہنامہ تجلّی دیوبند کا مدیر عامر عثمانی فاضل دیوبند لکھتا ہے۔۔۔"

اس کے بعد جولائی کے تجلّی میں ایک کتاب "شہادت حسینؓ" پر آپ کے تبصرہ سے بہت سی عبارت نقل کرکے فرمایا گیا ہے:-

"مدیر تجلّی کی تحریر آپ کے سامنے ہے بغور ملاحظہ فرمایئے کہ کس شقاوت، یزیدی ذہنیت اور دریدہ دہنی کے ساتھ اس نے امام عالیمقام رضی اللہ عنہ پر تنقید و طنز اور یزید کی وکالت کا حق ادا کیا ہے اور اس خبث باطنی کے باوجود بھی اس کو یہ شکایت ہے کہ "جو سچ منہ سے نکلے اس کا منہ نوچ لیا جاتا ہے"۔ قد بدت البغضاء من افواههم وما تخفی صدورهم اکبر"

کیا اس کے جواب میں کچھ لکھنا آپ پسند فرمائیں گے؟

جواب:-

اتفاق سے رضائے مصطفےٰ ہمارے یہاں بھی آتا ہے اور یہ "شذرہ" ہم دیکھ چکے ہیں۔ یہی کیا، گذشتہ ماہ میں "مدینہ" سائل نے علی فرقی، صاحب اسی طرح ہماری خبر لی ہے اور ان کا انداز ایسا ہے جیسے مدیر تجلّی کو منہ چڑا کر انھیں بہت ہی مسرت ہوئی ہے۔

آپ جواب کی بات پوچھتے ہیں۔ بتایئے جواب کس بات کا دوں۔ کیا صلواتوں کا، شاعری کا یا نغز نگاری کا؟ جن لفظوں سے یہ "یزید نوازی" کا شذرہ شروع کیا گیا ہے وہی صاف بتائے دے رہے ہیں کہ یہ کسی چھچھورے اکھڑے ہوئے "مولوی" کا قلم ہے۔ مولوی اپنے موقع پر نہیں، ان لوگوں کے لئے بولتا ہوں جو خود کو دین و دانش کا پیدائشی ٹھیکے دار سمجھنے کے باوجود یہ محسوس نہیں کر پاتے کہ اب ان کی عقل گدی کے پیچھے آ گئی ہے۔ اب بتایئے ایسے لوگوں سے بحث و مباحثہ کیا علمی متانت کے شایان شان ہو سکتا ہے؟

آپ نے محنت کرکے سوال لکھ ہی ڈالا ہے تو چند باتیں عرض ہیں۔ امام حسینؓ کے غالی مدحت گذاروں سے پوچھئے۔ یزید کیا اُس وقت بھی فاسق و فاجر تھا جب حضرت معاویہؓ نے اسے ولیعہد بنایا تھا یا ان کی موت کے بعد فسق و فجور پر مائل ہوا ہے؟ اگر اوّل الذکر بات ہے تو صاف بتایا جائے کہ اُن جلیل القدر صحابہؓ کے بارے میں کیا فتویٰ ہے جنھوں نے ایک فاسق و فاجر کو ولیعہد بنانا بخوشی منظور کر لیا اور اُن معاویہ کے لئے کیا حکم ہے جنھوں نے یہ صریح اسلام دشمنی کی؟ تاریخ گواہ ہے کہ یزید کی نامزدگی مملکت کی رائے عامہ ہموار کرنے کے بعد ہوئی ہے۔ ایسا نہیں ہوا کہ معاویہؓ نے لاؤ لشکر لگا کر لوگوں کی زبان بند کردی ہو اور تلوار کے سائے میں یزید کو ولیعہد بنایا ہو۔ انھوں نے اپنے زمانے کے تمام میسر وسائل سے کام لے کر رائے عامہ کی "تالیف" کی، اہل الرائے صحابہ، حتیٰ کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے استصواب کیا، لیکن کہیں نہیں ملتا کہ ان میں سے کسی نے یہ کہا ہو کہ معاویہ! کیا تم کرتے ہو اپنے فاسق و فاجر بیٹے کو ولی عہد بناتے ہو!۔۔۔ معاویہ! تم دین سے پھر گئے، دنیا پرست بن گئے، بوالہوس ہو گئے وغیرہ۔۔۔ اس کے برخلاف ایک واضح آمادگی کی فضا ہر طرف پائی جاتی ہے۔ تو کیا اہل الرائے صحابہ اور ام المومنین تک کو تمام بدہن اتنا بے حس، بے غیرت اور بزدل سمجھ لیا جائے کہ وہ معاویہؓ کے ڈر سے دل کو زبان پر نہ لا سکے اور ایک عظیم گناہ و طغیان کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر لیا۔؟ امام حسینؓ کے مبالغہ پسند ثنا خواں اس نتیجے پر مطمئن ہوں تو ہوں ہم اپنے لئے اس دن موت بہتر سمجھیں گے جب رسول اللہؐ کے برگزیدہ اصحابؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ جیسی معظم ہستیوں کے بارے میں ایسا وسوسہ بھی ہمارے ذہن میں گذر سکے۔ اور معاویہؓ جیسے حق آگاہ کو لالچی، دنیا پرست، اسلام دشمن اور مکار خیال کرنے پر بھی ہم موت ہی کو ترجیح دیں گے۔ ہمارا راسخ عقیدہ یہ ہے کہ انھوں نے یزید کو صرف اور صرف مملکت اسلامیہ ہی کے مفاد میں ولیعہد بنایا۔ ان کی بے پناہ نگاہ تدبر خوب دیکھ رہی تھی کہ حکومت کی باگ ڈور اگر بنو امیہ کے ہاتھ سے نکل گئی تو مصر و شام سب اسلامی پرچم کے سائے سے نکل جائیں گے۔ مصر کے بارے میں اگر کسی کو شبہ ہو تو کم سے کم شام کے بارے میں شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اُس وقت کے سیاسی

اتفاقی حالات پر گہرا غور و فکر کرنے کے بعد ہم معاویہ کے اس تدبر کو قرینِ قیاس ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر کسی کو اصرار ہو کہ یہ باصواب نہیں تھا تب بھی ہمیں صرف اس پر اصرار ہو گا کہ وہ بہرحال نیک نیتی ہی سے اسے باصواب سمجھتے تھے اور ایسا نہیں تھا کہ خالی حرص و ہوا کے تحت اپنے ہی خاندان کو حکومت و خلافت کا امین و مالک بنا دینا چاہتے ہوں۔ تدبیر غلط بھی ہو جاتی ہے، مگر دیکھنا یہ ہے کہ مدبر کی نیت تو فاسد نہیں ہے۔ ہمیں بفضلہٖ تعالیٰ پورا اطمینان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے معتمد صحابہؓ بدترین قسم کے فسادِ نیت میں ملوث نہیں ہو سکتے۔

اور اگر ثانی الذکر معاملہ ہے۔ یعنی یزید باپ کی موت کے بعد فاسق و فاجر ہو گیا تھا تو پھر اُن عالی مقام صحابہؓ و تابعین کے بارے میں کیا فیصلہ ہے جنھوں نے اس کی بیعت کی، اس کا ساتھ دیا اور اس کے خلاف خروج سے حضرت حسین کو ممکنہ حد تک روکنا چاہا؟ تم کہتے ہو حضرت حسینؓ یزید کی بیعت کر لیتے تو اس کی بدکاری کے لئے امام کی بیعت سند ہو جاتی۔ تو کیا بیعت کرنے والے باقی صحابہؓ اور تابعینؒ تمھاری نظر میں بدکاریوں کی سند عطا کرنے والے تھے؟ یا تمھارا خیال یہ ہے کہ سارے صحابہؓ اور تابعینؒ مل کر بھی سند کا وہ درجہ حاصل نہیں کر سکتے جو ذاتِ حسینؓ میں مرتکز تھا۔؟ ایسا ہے تو پھر صاف کہو کہ ہم امام حسینؓ کو فی الحقیقت نبی مانتے ہیں اور ان کی توصیف میں کسی کی بھی تحقیر و مذمت ہو جائے اس کی پروا نہیں کرتے۔

شریعتِ اسلامیہ و ملتِ حنیفیہ کا نقشہ مٹ جانے کا اندیشہ بھی شاعری سے زیادہ نہیں۔ ذرا بتاؤ تو حضرت حسینؓ کی بیعتِ یزید سے وہ کون سی قیامت ٹوٹ پڑتی جو ٹوٹ پڑنے سے رہ گئی وہ کونسا نقشِ ارجمندی اسلام کی لوحِ تقدیر سے مٹ جاتا جو بیعت نہ کرنے سے نہیں مٹا۔ عقیدتمندانہ شاعری سے ہٹ کر اگر کوئی معقول جواب تمھارے پاس ہے تو ماننا پڑے گا کہ خلافتِ یزید پر بیعت کر کے اس پر برقرار رہنے والے اور اس کے خلاف بغاوت نہ کرنے والے تمام ہی صحابہؓ و تابعینؒ اسلام کی جانِ ناتواں پر قیامت ہی توڑنے کے مشتاق تھے اور اس کی قسمت کے نقشِ ارجمندی

کو آزاد رہنا ہی انھیں مرغوب تھا۔ یا پھر ان میں دین کا قطعی فہم ہی نہیں تھا انھیں یہ احساس ہی نہ ہو سکا کہ یزید سے بغاوت کرنا دین و ملت کی زندگی اور بقا کے لئے ناگزیر ہے۔

یہ مثال ایثار و قربانی، غیرت، جذبۂ اسلامی اور اعلائے کلمۃ الحق کا جہاں تک تعلق ہے ہم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ذات میں بلاشبہ ان محاسن کی قابلِ فخر موجودگی دل سے تسلیم کرتے ہیں، لیکن یزید کے بالمقابل خلافت قائم کرنے کی کوشش اور پھر شہادت تک کے واقعات و حوادث میں ان محاسن کا علی الاطلاق تذکرہ قصیدہ گوئی کا انداز رکھتا ہے۔ جو واقعات کوائف خود ثناخوانِ حسین ہی بیان کرتے ہیں انھی پر جب تعصب اور جذبات سے بالاتر ہو کر عادلانہ نگاہِ تنقید ڈالی جاتی ہے تو صریح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ خروج و شہادت کا یہ قصہ صرف اعلائے کلمۃ الحق کی داستان نہیں، خالصۃً لوجہ اللہ سرفروشی کا افسانہ نہیں، کھلے فسق و ضلالت کے استیصال میں سر دے دینے کی روداد نہیں، بلکہ متعدد داعیوں اور مجبوریوں اور اجتہادی نارسائیوں کی کہانی ہے۔ ایک ایسی داستان ہے جس میں ایک فریق کو سراپا معصوم و بے خطا اور دوسرے فریق کو لازماً ظالم و گمراہ ثابت کرنے کی قسم کھائی گئی ہے اور اس رُخ پہلو سے قطعاً آنکھیں بند کر لی گئی ہیں کہ ہمارے اس طریقِ کار سے دوسری صاحبِ عزم اور جلیل القدر ہستیوں کی پوزیشن کتنی خراب ہو جاتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسینؓ کے مدحت گزار دورِ حسین میں سوائے ان کے کسی بھی ہستی کو فکر و تدبر، حق کوشی و جانبازی، ایثار و قربانی اور دین و ملت کی دردمندی کا اہل نہیں سمجھتے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ان کے عصر میں وہ رفیع المرتبہ صحابہ بھی تھے جن کی جانبازی و ایثار کا طرۂ افتخار آج تک آسمان سے باتیں کر رہا ہے۔ جن کی حق کوشی دردمندی پر تاریخ کی مہریں ثبت ہیں اور جن کے تدبر اور تجربے کے آگے حضرت حسینؓ کو طفلِ معصوم سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ یہ سب تو اچانک تمام اوصافِ حسنہ سے محروم ہو گئے اور ساری عبقری صفات حضرت حسینؓ اور ان کے معدودے چند ساتھیوں میں سمٹ آئیں۔ یہ ہے وہ نتیجہ جو

داستانِ حسین و یزید کی مقبول و مروج تعبیرات کے صغریٰ کبریٰ سے نکلتا ہے۔ جسے یہ اچھا لگے وہ قبول کرلے۔ ہمارا ذہنی مزاج اس سے متفق ہونے کے لئے تیار نہیں ہے۔

یہ تو ہم نہیں کہتے کہ خروجِ حسین بس خاندانی رقابت ہی کی بنیاد پر تھا۔ اور یہ بھی نہیں کہتے کہ ان کا جذبہ محض دنیاوی ہی تھا۔ لیکن یہ تو مخالف و موافق سب کے نزدیک معلوم و مسلّم ہے کہ کوفیوں کی پشت پناہی میں وہ یزید کا تاجِ خلافت چھین کر اپنے سر پر رکھ لینا چاہتے تھے۔ اس صورتِ واقعہ کو دلآویز اور خوش منظر بنانے کے لئے یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ تاجِ خلافت پہننے سے ان کی غرض دنیا پرستی نہیں تھی۔ وہ عیش و طرب کے دلدادہ نہیں تھے۔ وہ حُبِ جاہ کے دھارے پر نہیں بہہ رہے تھے، بلکہ ان کی نگاہ میں چونکہ باپ کا بیٹے کو نامزد کر جانا اسلامی خلافت کے بنیادی اصول سے ہم آہنگ نہیں تھا اس لئے اس نامزد خلیفہ کو تختِ خلافت سے اتار دینا ہی اسلام دوستی کا تقاضا سمجھتے تھے اور شاید یہ بھی ان کے ذہن میں ہو کہ یزید مملکت کی پالیسی اور خدوخال کو جس حد تک اسلامی بنا سکتا ہے اس سے کہیں بہتر طور پر میں اسلام کو رنگ روغن دے سکتا ہوں۔ میں بنیادی اصول کو نشاۃِ ثانیہ دیتے ہوئے خلافت کو ٹھیک ٹھیک منہاجِ نبوت پر چلاؤں گا۔ وغیر ذالک۔ یہ سب باتیں ہم حُسنِ نیت کی تصدیق میں دل و جان سے تسلیم کرلیں گے۔ مگر سرے سے یہ کہہ دینا کہ حضرت حسینؓ یزید سے تاجِ خلافت چھیننے نکلے ہی نہ تھے بلکہ محض سر کٹانے آگے بڑھے تھے، ایسا دعویٰ ہے جس کی داد محفلِ مشاعرہ یا بزمِ ماتم ہی میں دی جا سکتی ہے۔ عدالتِ علم و عقل میں اسکی کوئی حیثیت نہیں

سب کو معلوم ہے کہ شہادتِ حسینؓ اس لئے واقع نہیں ہوئی کہ یزید نے اپنا لاؤ لشکر بھیج کر حضرت حسینؓ سے بیعت کا مطالبہ کیا تھا۔ بلکہ یہ دردانگیز سانحہ تو اس لئے پیش آیا کہ حضرت حسینؓ کوفیوں کی بے وفائی کا شکار ہوگئے تھے۔ گویا جس حسینی اقدام کو ایثار و قربانی، اعلائے کلمۃ الحق اور دیگر معزز الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ یہی تھا کہ کوفہ پہنچ کر تاجِ خلافت خود پہنیں اور ممکن ہوسکے تو یزید کا تختہ الٹ دیں۔ اب دیکھئے تمام تاریخیں اس پر متفق ہیں کہ مسلم بن عقیل کی شہادت کے بعد جب آپ افواجِ یزید کے گھیرے میں محصور ہوگئے تھے تو آپ نے حریف سے کہا تھا:۔

"مجھے یا تو وہیں لوٹ جانے دو جہاں سے آیا ہوں یا کسی سرحدی مقام پر بھیج دو کہ جو حال وہاں دوسرے مسلمانوں کا ہوگا وہی میرا ہوگا۔ یا خود یزید کے پاس جانے دو کہ اپنا معاملہ اس سے طے کرلوں"

یہ ارشادِ گرامی بلا کسی تفسیر کے یہ واضح کرتا ہے کہ ناسازگار حالات کا پورا احساس کرنے کے بعد حضرت حسینؓ نے اپنے قلب و دماغ سے حصولِ خلافت اور استیصالِ یزید کا خیال نکال دیا تھا اور چاہتے تھے کہ اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جانیں ہلاکت سے بچا لے جائیں۔ پھر بھی جو شخص یہ کہتا ہے کہ ان کی جان اسی راہِ حق میں گئی جس پر وہ قدم زن ہوئے تھے تو اس دھاندلی اور عقیدہ بندی کا کیا علاج ہے۔ آخری بات یعنی یزید کے پاس جانے کی اذن طلبی کا منشاء اس کے سوا کیا ہوسکتا ہے کہ حضرت والا مناسب تبادلۂ خیال کے بعد یزید کی بیعت کر لینا چاہتے تھے۔

آپ کہیں گے کہ بیعت ہی اگر کرنی ہوتی تو وہیں حالتِ حصار میں کیوں نہ کر لیتے کٹ مرنا کیوں منظور فرماتے۔ جواب یہ ہے کہ فوجِ حریف یوں سیدھی سی بیعت لیکر چھوڑ دینے کو تیار ہی کب تھی۔ اس کا تو کہنا تھا پہلے خود کو ہمارے حوالے کرو پھر کوئی بات ہوگی۔ گویا رسول اللہؐ کے سرفراز و خوددار نواسے سے مطالبہ تھا کہ ہاتھ بڑھاؤ ہم ہتھکڑی ڈالیں گے۔ آگے آؤ ہم طوق و سلاسل پہنائیں گے۔ نواسہ چاہے اس وقت حصار میں گھرا تھا اور فوجی قوت کچھ بھی نہ تھی لیکن غیور طبیعت اور خوددار مزاج کیونکر اس ذلت کو آسانی سے برداشت کرلیتا۔ امام عالی مقام مادی قوت کے اعتبار سے کسی بھی مقامِ ضعف تک پہنچے ہوئے ہوں لیکن وہ ان یزیدی افواج کی صف اور طبقے کے آدمی تو نہ تھے وہ یقیناً بلند مراتب اور سرداروں کی صف کے انسان تھے۔ ان کے اندر قدرتاً یہ داعیہ پیدا ہونا ہی چاہئے تھا کہ بیعت ہی کرنی ہے تو کم سے کم خلیفہ یزید سے برابری کی گفتگو کرنے کی جائے، تاکہ عزتِ نفس کے شیشے میں بال نہ آئے۔ یہ عام فوجی اس قابل نہیں ہیں کہ میں قیدی کی حیثیت سے خود کو ان کے ہاتھوں میں دیدوں۔ یہ اتنا ذلت آمیز ہے کہ اس سے تو بہتر ہے کہ جان

دیدی جائے۔ ممکن ہے یزید سے گفتگو کی صورت میں ان کے ذہن
میں کچھ خاص مطالبات و شرائط بھی ہوں۔ آخر ان کے بڑے
بھائی حسنؓ نے بھی تو چند مطالبات و شرائط پر حضرت معاویہؓ کے
حق میں خلافت سے دستبرداری دیدی تھی۔ حضرت حسینؓ ایسا
کرتے تو کیا تعجب تھا۔ ہمیں یقین ہے کہ مشیت اگر ملاقات کی
نوبت آنے دیتی تو امام عالیمقام پہلے تو یزید کو عمدہ نصائح سے
سرفراز کرتے' پھر کچھ عزت مندانہ شروط پر گفتگو ہوتی۔

بہر حال جو تقدیر الٰہی کو منظور تھا ہوا اور اللہ کا پاکباز
بندہ رسول اللہؐ کا قابل صد افتخار نواسہ بے سروسامانی کے
عالم میں تہ تیغ کر دیا گیا۔ اپنی براہ راست نوعیت اور تشکل و
ہیئت کے اعتبار سے حسینی قافلے کی سرگذشت بلاشبہ اس
لائق ہے کہ دل کی رنج و غم کی ساری متاع اس کی نذر کر دی جائے۔
شقی ہے وہ شخص جو امام حسینؓ کو برے لفظوں سے یاد کرتا اور انکے
دامن صافی پر مکروہ الزامات کی کیچڑ پھینکتا ہے۔ وہ پیغمبرؐ کے
محبوب' دین و ملت کے چشم و چراغ' بڑے مرتبے والے' بیحد
شجاع اور صاحب تقویٰ تھے۔ ان کے خون کا ایک ایک قطرہ
ہماری جانوں سے زیادہ گرانقدر ہے' ان پر اللہ کی رحمت۔

لیکن احترام و عقیدت اس کا نام نہیں ہے کہ ان کے
ہر اجتہاد اور خیال و رائے کو آیۂ ربانی بنا لیا جائے۔ انکی شان
میں قصیدہ گوئی کے مقابلے ہوں اور گرمیٔ محفل کی خاطر عبرت و
مواعظت کی ایک داستان کو لہو و لعب کی سان پر چڑھا دیا جائے

ہمارے لئے "رضائے مصطفیٰ" نے اور بعض اور پرچوں نے
جو لب و لہجہ اور الفاظ استعمال فرمائے ہیں اس کے جواب میں
ہمارے پاس

بدم گوئی و خرسندی عفاک اللہ نکو گفتی

کے سوا کچھ نہیں ہے۔ رنج ہوتا ہے کہ ہم مسلمانوں میں اختلاف رائے
کو شرافت و متانت کے ساتھ برداشت کرنے کا یارا بالکل نہیں
رہا۔ دیکھیئے کہ ہم اپنی ہر رائے اور فیصلے کو دلیل و برہان کے
ساتھ پیش کرنے کے عادی ہیں۔ ہو سکتا ہے متعدد مسائل میں
ہمارا موقف غلط رہا ہو اور ہمارے علم و فہم دھوکا کھا گئے ہوں
لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ لوگ صلواتوں اور آوازوں پہ
اتر آئیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حلم و متانت اور دانشمندانہ
بردباری کی توفیق دے۔

سوال ۳۱ :- از انعام الٰہی۔ کراچی — دختر رسول

ہفت روزہ "چٹان" لاہور (۳۰ جولائی ۱۹۵۹ء) میں یہ سطور
لکھی گئی ہیں :-

"اہل بیت کی محبت ایک ایسی متاع ہے کہ اس میں اضافہ
ہو تو یقین پختہ ہوتا ہے۔ اب یہ اپنی اپنی محبت کا سوال
ہے۔ ظاہر ہے کہ محبت انسان کو کہیں سے کہیں لے جاتی
ہے اگر کوئی شخص "رقیب" سے چڑ کر محبوب کے حسن و خوبی
کی نفی کرتا ہے تو وہ صرف اپنے ہی عشق کا بطلان کرتا ہے
ہمارے نزدیک سانحۂ کربلا کی ترتیب و تصحیح کے پردے میں
یزید کا شعوری نہیں تو غیر شعوری "دفاع" کرنا ایک خوفناک
جسارت ہے۔ کچھ بھی کہہ لیجئے مگر قیامت کے روز اس قسم
کے لوگ دختر رسولؐ کے آنسوؤں کو کیا جواب دینگے" (عرش)

دراصل چٹان میں محمود عباسی کی کتاب "خلافت معاویہؓ و
یزید" پر ق کے تحسین آمیز تبصرہ ہوا تھا۔ اس پر "اسرار البصری"
صاحب نے یہ کہکر کہ یہ تبصرہ راقم الحروف کی غیر حاضری میں چھپ گیا
تھا اسے دھو ڈالنے کی کوشش میں پون کالم لکھا ہے۔ اسی میں یہ
سطور ہیں۔ اور باقی سطور میں انھوں نے رائے ظاہر کی ہے کہ
"واقعۂ کربلا" کو معروف و مسلّم زاویۂ نظر سے دیکھنے کی بجائے ایک
نئے زاویئے سے دیکھنا دکھانا ضرر رساں ہے' کیونکہ اس سے جذبے
میں کمی واقع ہوتی ہے اور عشق میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔

آپ مناسب سمجھیں تو اس پر اظہار خیال فرمائیں۔

جواب ۳۱ :-

ہر شخص اپنے خیالات کے اظہار میں آزاد ہے اور ضروری
نہیں ہے کہ جسے بھی ہم اپنے سے مختلف الرائے پائیں اس کے
فرمودات کا تعاقب شروع کر دیں۔ "چٹان" ہمارے پاس آتا ہے
اور مذکورہ کالم ہم پہلے ہی پڑھ چکے ہیں۔ جو کچھ اس میں کہا گیا ہے
وہ اسلوب اور لب و لہجے کے اعتبار سے سنجیدہ ہے' لیکن مطالب
معانی کے پہلو سے جذباتی بھی ہے اور مبہم بھی۔ ہم نہیں سمجھ سکے
کہ اگر ایک شخص مدتوں تحقیق کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہو کہ

یزید کے فسق و فجور اور ظلم و عدوان کی اکثر و بیشتر داستانیں من گھڑت ہیں اور حضرت حسینؓ کے بارے میں بھی عامۃ الناس میں افراط و غلو نے جو جڑ پکڑ لی ہے تو اپنے حاصل کردہ نتیجہ کو منقبری استدلال کے ساتھ دنیا کے سامنے رکھنا "خوفناک جسارت" کیوں ہے اور کیسے مفید و بار آور جذبے کا زوال اس سے لازم آجاتا ہے۔

تمنّی سطحی اور بے تہہ بات ہے کہ:-

"اہل بیت کی محبت ایک ایسی متاع ہے کہ اس میں اضافہ ہو تو یقین پختہ ہے۔"

یہ اہل تشیع کی تمام معروف و معلوم ماتم آرائیاں، یہ تعزیوں کے جلوس، یہ شور و شیون کی مجلسیں، یہ رنج و محن کے ناٹک، یہ سربازار ہنگامہ آرائیاں ــــ یہ سب کچھ اہل بیت کی محبت میں اضافے ہی کی تو کرشمہ سازیاں ہیں۔ تو کیا ان مناظر کو ہم "یقین کی پختگی" کے مظاہر مان لیں؟ اگر یہی یقین کی پختگی ہے تو اسے سو بار دور سے سلام۔ "یقین" کا مطلب کیا ہے اور کس مفہوم میں اسے بولا گیا ہے جب تک یہ واضح نہ ہو مذکورہ جملہ محض شعر ہی رہے گا۔ فساد کی جڑ در اصل یہی ظاہر فریب بات ہے کہ اہل بیت کی محبت کو دین کے دیگر اہم اصول کی طرح ایک مستقل اصل مان لیا گیا ہے اور اسی کی روشنی میں تاریخ کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اہل بیت کی محبت محبِ رسول کا ایک فطری و طبعی اقتضاء ہے نہ کہ علمی و شرعی اصول۔ اسے کلیات دین میں ایک مستقل وحدت بنا کر پیش کرنا معقولیت نہیں جذباتیت ہے۔

ہم مانتے ہیں کہ کسی ذہن کی جڑ میں حضرت حسینؓ ہی کی صفاتِ عالیہ کا انکار کر گذرنا اور ان کی شان میں توہین آمیز لب و لہجہ اختیار کرنا بدبختی کی علامت ہے۔ لیکن یہ بہت سطحی بات ہو گی اگر غلط روایات و آراء کی نشاندہی کو حضرت حسینؓ کی تخفیف اور ان کے مناقب و صفات کے انکار کا ہم معنی قرار دیا جائے۔ محبت حدودِ معینہ سے گذر جائے تو دیوانگی ہے۔ دیوانے قابلِ رحم تو ہو سکتے ہیں لیکن لائقِ تقلید نہیں ہو سکتے۔

یزید بیچارہ پروپیگنڈے کی صلیب پر ایسا چڑھا کہ شیطان کا مرادف ہو کر رہ گیا۔ اب ظاہر ہے کہ اس کی طرف سے دفاع کو شیطان کی طرف سے دفاع سمجھا جانا چاہئے اور سمجھا جا رہا ہے لیکن جو لوگ لومۃ لائم کی پروا نہیں کرتے وہ تو اپنے نقطہ نظر کو پیش کرنے سے باز نہیں رہیں گے۔ رہی یہ بات کہ قیامت کے دن وہ دخترِ رسولؐ کے آنسوؤں کو کیا جواب دیں گے تو آپ شیعہ صاحبان کا لٹریچر اٹھا کر دیکھیں اس میں بھی ٹھیک ایسے ہی انداز سے اس قسم کے سوالات آپ کو ملیں گے کہ حضرت علیؓ کے حقِ خلافت کو غصب کرنے والے اور بنتِ رسول کی جائداد کو قبضا لینے والے اور اہل بیت کے سینوں کو بے رحمی کے تیروں سے چھلنی کر دینے والے ابوبکرؓ و عمرؓ اللہ کے یہاں کیا جواب دیں گے؟ جو اندھا جذباتی طرزِ فکر ان سوالوں میں کارفرما ہے ٹھیک وہی دخترِ رسولؐ کے آنسوؤں والی بات میں کارفرما ہے۔ مگر ظاہر ہے اس طرح کی باتیں علمی و فکری مسائل میں کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتیں۔ یہ باتیں کرنے والے بالواسطہ طور پر یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ جو شخص حضرت علیؓ یا حضرت حسینؓ کی مدح سرائی میں ذرا بھی عقل و استدلال کی ٹانگ اڑانا چاہتا ہے وہ اتنا شقی اور سنگدل ہے کہ اسے پیغمبر کے داماد کی مظلومی پر دکھ ہوتا ہے نہ بنتِ رسول فاطمۃ الزہرا کے پرسوز جذبات سے کوئی ہمدردی ہے۔ وہ کم بخت ذرا بھی احساس نہیں کرتا کہ بیٹے کو بیکسی اور مظلومی کے عالم میں شہید ہوتا دیکھ کر ماں باپ (فاطمہؓ و علی رضی اللہ عنہما) کی روح پر کیا گذر گئی ہو گی۔

یہ تاثر کتنا اشتعال انگیز ہے محتاج بیان نہیں لیکن یہ بھی محتاج بیان نہیں کہ اس میں مغالطہ انگیزی اور التباس و تلبیس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ بحث جب علمی و فکری ہو تو ماؤں کی ممتا اور باپوں کی محبت زیرِ بحث نہیں آیا کرتی۔ حضرت علیؓ یا حضرت فاطمہؓ سے جسے محبت نہ ہو وہ تو مسلمان ہی نہیں ہے۔ ان کے مراتب و مناقب کے کیا کہنے لیکن جس باپ کی زبانِ صادق النظام نے یہ کہا تھا کہ خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اسی کے بتائے ہوئے طریقے کی پیروی میں اگر ہم علیؓ اور فاطمہؓ کے بیٹے حسینؓ کے سیاسی اجتہادی موقف پر گفتگو کرتے ہوئے ایماندارانہ اظہارِ خیال کرتا ہے تو اسے اہل بیت کا دشمن اور دخترِ رسول کے آنسوؤں کا حریف کہہ دینا بہت بے تکی بات ہے۔ ویسے ہمیں یقین ہے کہ عوام کے جذبات کو

مشتعل کرنے کے لئے شیعہ دوستوں نے حضرت فاطمہؓ کے ذہن و قلب کا نقشہ بہت غلط کھینچا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فاطمہ بنت وہ ایک بالکل ہی ناسمجھ اور جذبات زدہ خاتون تھیں جن سے جذبات آرائی کے سوا کوئی توقع ہی نہیں کرنی چاہئے۔ معاذ اللہ۔ ہم تو سمجھتے ہیں وہ اتنی ہی جگردار اور حق پسند خاتون تھیں جتنا ایک بنتِ رسول کو ہونا چاہئے۔ وہ ہرگز اللہ کے یہاں یوں فریاد نہیں کریں گی کہ حسینؓ چونکہ ان کے لختِ جگر تھے اس لئے لازماً ان کے حریفوں کو جہنم میں جھونک دیا جائے۔ بلکہ ان کا مطالبہ یقیناً اس قید کے ساتھ مشروط ہوگا کہ میرے بیٹے کو اگر ناحق قتل کیا گیا ہے تو قاتلوں اور قتل کے تمام ذمہ داروں کو عذاب دے۔ ایسی بنتِ رسولؐ کے شایانِ شان ہے اور یقیناً وہ ماںتا کی قربان گاہ پر حق اور عدل کو قربان کر دینے والی ماؤں میں سے نہیں تھیں۔

جماعتِ نوافل کے بارے میں ایک خط

از عبداللہ رشیدی

مکرمی! رسالہ کے متعلق تجلی میں مفتی مہدی حسن صاحب کے فتویٰ پر آپ کا تعاقب و تبصرہ پڑھ کر ہم کو حضرت شیخ الحدیث مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ یاد آگیا، جس کو پہلی بار منظرِ عام پر لانے والے بھی حضرت مفتی صاحب ہیں زیرِ بحث مسئلے کا بھی یہی حال ہے، بلکہ اس کا علمائے دیوبند کی تحقیق اور عمل کے خلاف ہونا اس سے بھی زیادہ واضح ہے اور تصریحاتِ فقہ حنفی کے خلاف ہونا واضح تر۔

مفتی مہدی حسن صاحب کی روایت کی بنا پر مولانا مرحوم کا یہ فتویٰ ہے کہ "رمضان کی جملہ نوافل کی جماعت خواہ بالتداعی ہو یا بلا تداعی سب ماذون فیہ بلکہ مستحب ہوگی اور تحت ترغیب من قام رمضان (الحدیث) داخل ہوگی"۔ (شیخ الاسلام نمبر)

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ فتح القدیر میں مذکور ہے — یکرہ صلوٰۃ التطوع جماعۃ ما خلا قیام رمضان اور شامی میں ہے ان الجماعۃ فی التطوع لیست بسنۃ الا فی قیام رمضان۔ یعنی فقہا نے جہاں نفل کی جماعت کو مکروہ لکھا ہے وہاں قیامِ رمضان کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور اس کی تخصیص تراویح کے ساتھ نہیں کی گئی ہے۔ یعنی حضرت مرحوم ان عبارتوں میں قیامِ رمضان کے لغوی معنے لیکر اس کو تراویح و تہجد سے عام مانتے ہیں اور یہ افادہ فرماتے ہیں کہ فقہا کے نزدیک جس طرح تراویح کی جماعت حکمِ کراہت سے مستثنیٰ ہے اسی طرح تہجد کی جماعت کو بھی فقہا کراہت سے مستثنیٰ کہتے ہیں۔ اس پر ہم بصد ہمدردی و چہ بیدردی کے ثبوت کی گذارش یہ ہے کہ حضرت مرحوم نے فقہا کی جو ترجمانی فرمائی ہے اس میں حضرت سے سخت قسم کی چوک ہو گئی ہے۔ اس لئے کہ فقہا اور شراحِ حدیث کی عبارتوں میں قیامِ رمضان سے صرف تراویح مراد ہوا کرتی ہے۔ دوسری کوئی نماز مراد نہیں ہوتی۔ ہاں حدیث من قام رمضان ایمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه میں بیشک شارحین کا اختلاف ہے کہ اس حدیث میں جس قیام پر مغفرتِ ذنوب کا وعدہ ہے اس کا مصداق صرف تراویح ہے یا تہجد بھی۔ تو نوویؒ و کرمانیؒ نے کہا کہ اس سے صرف تراویح مراد ہے اور حافظ ابن حجرؒ اور عینیؒ کا خیال ہے کہ من قام رمضان الخ میں جو ثواب ذکر کیا گیا ہے وہ تراویح پڑھنے پر بھی ملے گا اور تہجد پڑھنے پر بھی ملے گا۔

حاصل یہ کہ حافظ ابن حجر اور علامہ عینی من قام رمضان کے مدلولِ لغوی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے خواہ تراویح پڑھنے والا ہو خواہ تہجد گذار رمضان دونوں کو اس حدیث کی بشارت کا مستحق قرار دیتے ہیں اور امام نوویؒ وغیرہ قیامِ رمضان کے عرفی مدلول کی بنا پر صرف تراویح پڑھنے والے کے حق میں اس بشارت کو مانتے ہیں اور ہرچند کہ حافظ ابن حجر نے بلا دلیل پہلی ہی بات کو ترجیح دی ہے مگر حق یہ ہے کہ نووی کی بات راجح ہے اس لئے کہ اس حدیث کے راوی نے اس بشارت کو تراویح سے متعلق سمجھا ہے۔ چنانچہ اس روایت کے آخر میں امام مالک کے استاذ ابن شہاب زہری نے فرمایا ہے۔ فتوفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والامر علی ذلک ثم کان الامر فی خلافۃ ابی بکر وصدرا من خلافۃ عمر علی ذلک اور والامر علی ذلک کی شرح میں خود حافظ ابن حجر ہی فرماتے ہیں والامر علی ذلک ای علی ترک الجماعۃ

فی التراویح (فتح الباری صفحہ ۱۷۹ ج ۴) اس سے صاف ظاہر ہے کہ خود بخاری راوی حدیث بھی اس حدیث کو تراویح سے متعلق سمجھتے ہیں۔

اور اسی کی تائید امام بخاری کے طریق کار سے بھی ہوتی ہے اس لئے کہ انھوں نے کتاب صلوٰۃ التراویح میں باب فضل من قام رمضان قائم کیا ہے اور اس میں اسی حدیث کو ذکر کیا ہے۔

اور اگر بسبیل تنزل حافظ ابن حجر ہی کی بات صحیح تسلیم کرلی جائے اور مان لیا جائے کہ دلالت لغوی کی بنا پر "من قام رمضان" دونوں گروہوں پر صادق ہے تو اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ فقہا کے کلام میں قیام رمضان کا جو لفظ آیا ہے وہ بھی دونوں سے عام اور دونوں کو شامل ہے۔ اس لئے کہ قرون اولیٰ ہی سے عرف عام ہوگیا ہے کہ صرف تراویح پر قیام رمضان کا اطلاق کرتے ہیں اور اسی وقت سے اس کا مدلول لغوی متروک ہوچکا ہے۔ صرف مدلول عرفی میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تراویح کے سوا جو نوافل رمضان میں پڑھی جاتی ہیں ان کو رمضان سے کوئی خصوصیت نہیں، وہ دوسرے مہینوں میں بھی مشروع ومندوب ہیں اور پڑھی بھی جاتی ہیں، مگر تراویح رمضان کے سوا کسی دوسرے مہینے میں مشروع نہیں ہے۔ اس لئے یہ رمضان کا مخصوص قیام ہے۔ اسی خصوصیت کی بنا پر قیام رمضان کے لفظ سے اس کے سوا کوئی دوسری نماز مراد نہیں ہوتی۔

اس دعوے کے ثبوت میں سیکڑوں گواہیاں پیش ہوسکتی ہیں، مگر تطویل کے اندیشہ سے صرف دو چار ہی پیش کیجاتی ہیں

امام محمد بن نصر مروزی نے اپنی کتاب "قیام اللیل" کے دو حصے قرار دیئے ہیں۔ پہلے کا عنوان "کتاب قیام اللیل" اور دوسرے حصے کا عنوان "کتاب قیام رمضان" قرار دیا ہے اسی دوسرے حصے میں سیکڑوں آثار ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرون اولیٰ ہی سے تراویح کو قیام رمضان کہا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک اثر کے الفاظ یہ ہیں۔ کان علی بن ابی طالب یامر الناس بقیام رمضان فیجعل للرجال اماماً وللنساء اماماً۔ دوسرا اثر ہے۔ اِنّ اُبیَّ بن کعب کان یصلی بالناس فی قیام رمضان۔ تمام اہل علم جانتے ہیں کہ ابی بن کعب تراویح کے امام تھے۔

عرفجہ ثقفی کا بیان ہے۔ امرنی علیؓ فکنت اماما للنساء فی رمضان اور اسی میں ہے کہ امام مالکؒ سے کسی نے پوچھا کہ ہم قیام رمضان کو کم کردیں؟ تو انھوں نے منع کیا۔ پھر ان سے پوچھا گیا کہ کتنا قیام چاہئے؟ تو فرمایا وتر سمیت انتالیس رکعات۔

فرمایئے کیا یہ بات تہجد پر صادق آسکتی ہے؟

پھر اسی میں ہے کہ کسی نے امام احمدؒ سے پوچھا کہ قیام شہر رمضان میں کتنی رکعتیں پڑھی جائیں؟ تو انھوں نے فرمایا: اس میں کئی رنگ کی روایات ہیں چالیس کے قریب کا ذکر ہے اور وہ تو تطوع (نفل) ہے۔ کیا تہجد میں بھی چالیس کے قریب رکعات کا ذکر ہے۔

اسی طرح صحاح ستہ اور مؤطا امام محمد وغیرہ میں قیام رمضان یا قیام شہر رمضان کے عنوان سے باب منعقد کرکے اس کے ذیل میں ان تین راتوں کا واقعہ نقل کرنا جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت سے تراویح پڑھی ہے اور اسی طرح حضرت عمرؓ کا ابی بن کعب کو تراویح کا امام بناکر تراویح کی ایک جماعت قائم کرنے کا واقعہ نقل کرنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ قرون اولیٰ کے علاوہ امام محمدؒ اور مصنفین صحاح کے زمانوں میں بھی قیام رمضان اور قیام شہر رمضان تراویح ہی کا دوسرا نام تھا۔

اسی طرح ہماری کتب فقہ میں بھی بکثرت ایسی چیزیں موجود ہیں جن سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ فقہا کے کلام میں قیام رمضان سے صرف تراویح مراد ہے۔ اور اس کے سوا کسی دوسری نفل کا مراد ہونا ممکن نہیں ہے۔ نیز کتب فقہ میں بکثرت ایسی تصریحات وتلویحات موجود ہیں جو رمضان میں بھی تہجد کی جماعت کے مکروہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ:۔

(۱) فقہاء نے جماعت کو تراویح کے خصائص میں شمار کیا ہے رسائل الارکان میں ہے۔ صلوٰۃ التراویح فی شہر رمضان نوع من صلوٰۃ اللیل لکن لھا خصائص منھا الجماعۃ

اور شامی میں ہے - انما اخرھا عن النوافل لکثرۃ شعبھا واختصاصھا عنھا باداءھا بجماعۃ (ص۴۹۲ ج۱)

(۲) فقہاء نے رمضان میں صرف پانچ ترویحوں (بیس رکعت) کے اندر جماعت کی اجازت دی ہے۔ بیس کے بعد کسی نفل میں بھی جماعت کی تو مکروہ ہے۔ عالمگیری ص۱۱۷ ج۱ میں ہے ولو زاد علی خمس ترویحات بالجماعۃ یکرہ عندنا ھکذا فی الخلاصۃ -

(۳) حتی کہ اگر شک ہو جائے کہ کتنے سلام ہوئے نو یا دس اور طے یہ ہو کہ دو رکعتوں کا اعادہ ہی کر لیا جائے تو عالمگیری ص۱۱۷ ج۱ میں ہے کہ الصحیح ان یصلوا فرادی ھکذا فی المحیط[1] (صحیح یہ ہے کہ اکیلے اکیلے دہرائیں) اس لئے کہ ان دو رکعتوں کا تراویح ہونا مشکوک ہو گیا اور جس نماز کا تراویح ہونا یقینی نہ ہو اس میں جماعت مکروہ ہے۔

(۴) نیز عالمگیری ص۱۱۵ میں یہ بھی مصرح ہے ولو صلی التراویح ثم ارادوا ان یصلوا ثانیا یصلون فرادی کذا فی التاتارخانیۃ (اگر تراویح پڑھ لی اس کے بعد قوم نے ارادہ کیا کہ دوبارہ پڑھیں تو اکیلے اکیلے پڑھیں)۔

(۵) "تنویر الابصار" متن درمختار میں ہے ولا یصلی الوتر والتطوع بجماعۃ خارج رمضان وفیہ یصلی الوتر وقیامہ بھا۔ اس عبارت میں تھوڑا سا تامل کیجئے تو صاف واضح ہو جائے گا کہ قیام رمضان سے صرف تراویح مراد ہوا کرتی ہے۔ توضیح اس کی یہ ہے کہ پہلے فقرہ میں ماتن نے غیر رمضان میں وتر اور مطلقاً نفل کی جماعت سے منع کیا۔ پس اگر رمضان میں وتر اور مطلقاً ہر نفل کی جماعت کراہت سے خالی ہوتی تو دوسرے فقرہ میں صرف اس قدر کافی تھا کہ وفیہ یصلیان بھا۔ اس لئے کہ متن میں جو اختصار مقصود ہوتا ہے وہ اسی صورت میں حاصل ہو سکتا تھا۔ لیکن اس کو چھوڑ کر وفیہ یصلی الوتر وقیامہ کو اختیار کرنے کی علت اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس اختصار کی بناء پر تراویح کے علاوہ رمضان کے دوسرے نوافل کی جماعت بھی خالی از کراہت قرار پا جاتی جو خلاف مقصود و خلاف واقعہ ہے۔ اس لئے اس اختصار پر اس طول عبارت کو ترجیح دیا گیا کہ یصلی الوتر وقیامہ بھا۔ یعنی جماعت کی اجازت قیام رمضان کے ساتھ مخصوص کر دی گئی -

اب اگر حضرت مرحوم کی بات مان لی جائے کہ فقہاء کے نزدیک قیام رمضان کے مفہوم میں تراویح اور رمضان کے دوسرے نوافل سب شامل ہوتے ہیں تو تنویر کے مصنف کا مختصر کو چھوڑ کر بلا وجہ مطول کو اختیار کرنا تطویل لاطائل اور ترجیح مرجوح قرار پائے گا اور اس کی کوئی توجیہ ممکن نہ ہوگی۔ لہذا معلوم ہوا کہ مولانا کا خیال صحیح نہیں ہے اور قیام رمضان کا مفہوم فقہاء کے نزدیک تراویح کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے -

(۶) یہی وجہ ہے کہ درمختار وغیرہ میں قیام رمضان کے لفظ کی جگہ پر تراویح کا لفظ رکھ کر اس کی جماعت کا سنت کفایہ ہونا مذکور ہے۔ وفی التراویح سنۃ کفایۃ۔ جماعت تراویح میں سنت کفایہ ہے اور اس عبارت کے ماتحت شامی میں ہے فی منیۃ المصلی من بحث التراویح من ان اداءھا بالجماعۃ سنۃ علی سبیل الکفایۃ ص۴۳۳ ج۱۔ پھر اسی عبارت کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ وفی وتر رمضان مستحبۃ علی قول۔ (ایک قول کے مطابق رمضان کے وتر میں جماعت مستحب ہے)۔ لیکن اس کا کوئی اشارہ تک نہیں ہے کہ رمضان کے تہجد میں بھی (خواہ ایک ہی قول پر) جماعت مستحب ہے (جیسا کہ حضرت مدنی مرحوم کا خیال ہے) بلکہ اس کے برخلاف غیر رمضان کے وتر میں اور ہر تطوع میں (خواہ وہ تطوع رمضان ہو یا تطوع غیر رمضان) جماعت کو مکروہ قرار دے کر اس کی تصریح کر دی کہ تہجد میں جماعت کرنا خواہ رمضان ہی میں ہو مکروہ ہے۔ درمختار کے الفاظ یہ ہیں۔ وفی وتر غیرہ وتطوع علی سبیل التداعی مکروھۃ۔

درمختار کی عبارت کے ٹکڑوں کو ایک بار یک جا کر کے پھر پڑھئے تو اس کا حاصل یہ نکلتا ہے (۱) تراویح میں جماعت

[1] طحطاوی ص۲۶۷ ج۱ میں بھی یہ جزئیہ ہے - شامی میں ہے للاحتراز عن التنفل بالجماعۃ ص۵۲۲ ج۱ ۱۲ - اور کبیرے میں ہے - والاحتراز عن التنفل الزائد علیھا بالجماعۃ ص۳۵۱ - ۱۲ - ۱۲ - ۱۲

سنت کفایہ ہے (۲) وتر رمضان میں بقولے مستحب ہے (۳) وتر غیر رمضان میں بر سبیل تداعی مکروہ ہے (۴) کوئی سا تطوع ہو اس میں بھی بر سبیل تداعی مکروہ ہے (عبارت درمختار میں "التطوع" بتنوین تنکیر ہے) یعنی صاحب درمختار نے فرائض کے سوا ہر نماز کی جماعت کا حکم تفصیل سے بتایا ہے اس سے بھی تہجد رمضان کی جماعت کا مکروہ ہی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(۷) اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ صاحب درمختار نے وتر رمضان کی جماعت کو صرف ایک قول میں مستحب لکھ کر اشارہ کر دیا کہ فقہا کے ایک دوسرے قول کے بموجب وتر رمضان میں بھی جماعت مستحب نہیں ہے۔ چنانچہ شامی بصراحت لکھتے ہیں۔ وغیر مستحبة علی قول آخر بل یصلیها وحده فی بیته وهما قولان مصححان ص ۶۶۳ یعنی وتر رمضان کی جماعت دوسرے قول پر مستحب نہیں ہے بلکہ اس کو اپنے اپنے گھر میں اکیلے اکیلے پڑھنا چاہئے۔ یہ دونوں قول مصحح ہیں۔ کسی فقیہ نے اس کو صحیح کہا ہے کسی نے اس کو۔ تو جس چیز کہنا ہے یہاں سے دو باتیں مستفاد ہوئیں ایک یہ کہ جب وتر رمضان کی جماعت کے استحباب پر بھی فقہا متفق نہیں ہیں بلکہ ان کو اس سے اختلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ تہجد کی جماعت کے مستحب ہونے کا کوئی کمزور سا قول بھی نہیں ہے ورنہ ضرور تھا اس کو صاحب درمختار یہاں ذکر کرتے جبکہ ان کا مقصود ہر نماز کی جماعت کا حکم بتانا ہے۔

(۸) شیخ ابراہیم حلبی غنیۃ المستملی المعروف بکبیری میں لکھتے ہیں۔ واعلم ان النفل بالجماعة علی سبیل التداعی مکروه علی ما تقدم ما عدا التراویح وصلوة الکسوف والاستسقاء ص ۳۹۲ یعنی تداعی کے ساتھ نفل کی جماعت مکروہ ہے بجز تراویح اور نماز کسوف و نماز استسقاء کے۔ ملاحظہ فرمائیے کس قدر صاف ہے تراویح، کسوف و استسقاء کے استثناء کے بعد ہر نماز کی جماعت کو مکروہ فرمایا ہے۔ اور استثناء میں صرف تراویح کا ذکر ہے، رمضان کے دوسرے نوافل کا نہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دوسرے فقہاء کے کلام میں قیام رمضان سے مراد صرف تراویح ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شیخ ابراہیم حلبی آگے چل کر صلوۃ رغائب وغیرہ کی جماعت کے ساتھ ساتھ ستائیسویں رمضان میں نماز لیلۃ القدر کی جماعت کو بھی بدعت مکروہہ فرماتے ہیں۔ وصلوة لیلة القدر لیلة السابع والعشرین من رمضان وغیرها بالجماعة بدعة مکروهة ص ۳۹۳ اگر یہ بات نہ ہوتی تو نماز لیلۃ القدر دوسری جس بنیاد پر بھی مکروہ قرار دی جاتی مگر نفل باجماعت ہونے کی بنیاد پر مکروہ نہیں کہی جا سکتی تھی۔

(۹) اور اس سے بھی صاف سنئے کہ شیخ ابراہیم صراحت کے ساتھ تراویح و قیام رمضان کو ایک کہتے ہیں۔ التراویح جمع ترویحة سمیت بها کل اربع رکعات من قیام رمضان لاستراحة بعدها غالبا ص ۳۸۶ یعنی تراویح ترویحہ کی جمع ہے چونکہ قیام رمضان کی ہر چار رکعت کے بعد عموماً دم لیتے ہیں اس لئے اس کی ہر چار رکعت کو ترویحہ (آرام دینا) کہتے ہیں

(۱۰) کبیری میں یہ جزئیہ بھی مذکور ہے کہ اگر وتر سے فارغ ہونے کے بعد یاد آیا کہ تراویح کی دو رکعتیں چھوٹ گئی ہیں تو اگرچہ بعض فقہاء ان کو جماعت سے پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں، مگر دوسرے فقہاء جن میں امام ابوبکر محمد بن الفضل بھی شامل ہیں، فرماتے ہیں۔ لا یصلون تلک التسلیمة بجماعة لانها فاتت عن محلها والجماعة شرعت فی التراویح اذا کانت فی محلها ص ۳۹۲ یعنی یہ دو رکعتیں جماعت سے نہ پڑھی جائیں اس لئے کہ وہ اپنے محل پر فوت ہو گئیں اور تراویح میں جماعت اس شرط سے مشروع ہے کہ وہ اپنے محل میں ہو ۔۔۔ دیکھئے یہ دو رکعتیں باوجودیکہ تراویح ہیں لیکن جب وہ اپنے محل سے ہٹ گئیں تو ان میں بھی جماعت کا جواز قابل بحث ہو گیا۔ اسی سے سمجھ لیجئے کہ پھر دوسرے نوافل کی رمضان میں جماعت کرنا بلا کراہت کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟

(۱۱) اب آئیے صاحب ہدایہ کی زبانی قیام رمضان کے معنی کا بیان سنئے۔ فصل فی قیام رمضان یستحب ان یجتمع الناس فی شهر رمضان بعد العشاء فیصلی بهم امامهم خمس ترویحات الخ فصل قیام رمضان کے بیان میں۔ مستحب ہے کہ ماہ رمضان میں عشاء کے بعد لوگ اکٹھے ہوں

اور ان کا امام ان کو پانچ ترویح (بیس رکعتیں) پڑھائے۔ قیام رمضان کے متعلق اس بیان کے بعد یہ بات بالکل یقینی ہو جاتی ہے کہ فقہا کے نزدیک وہ اور تراویح ایک چیز ہے اور جہاں یہ لکھا ہے کہ قیام رمضان کے سوا ہر تطوع میں جماعت مکروہ ہے وہاں ان کی مراد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ تراویح کے سوا ہر تطوع میں خواہ وہ نوافل رمضان ہوں یا نوافل غیر رمضان سب میں جماعت مکروہ ہے۔

اسی فصل میں امام ابن الہمام مالکیوں کے ۳۶ رکعت تراویح پڑھنے کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ونحن لا نمنع احداً من التنفل ما شاء وانما الكلام في القدر المستحب بجماعة (فتح القدیر ص۳۲۶) کوئی جس قدر بھی چاہے نفل پڑھے ہم منع نہیں کرتے۔ گفتگو اس مقدار میں ہے جو جماعت کے ساتھ مستحب ہے (اور وہ بیس سے زیادہ نہیں)۔ دیکھئے یہ عبارت بھی صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ رمضان میں بیس رکعت سے زائد کسی نفل میں بھی جماعت کرنا خالی از کراہت نہیں ہے۔ حکم کراہت سے صرف تراویح کی بیس رکعتیں مستثنیٰ ہیں اور بس۔

(۲) حضرت شیخ مرحوم نے اس سلسلہ میں علامہ عینی کا نام بھی لیا ہے اور ان کے حوالے سے جو شمول من قام رمضان میں حضرت نے پیدا کیا ہے اس کی رو سے حضرت کے اصول پر قیام رمضان کے معنی رمضان میں طواف کرنے اور رمضان میں عمرہ کرنے کے بھی ہو سکتے ہیں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس سلسلہ میں علامہ عینی کی کچھ تصریحات بھی پیش کر دوں۔

آپ ابھی دیکھ چکے ہیں کہ صاحب ہدایہ نے قیام رمضان کا عنوان دے کر نماز تراویح کی ترکیب بیان کی ہے۔ علامہ عینی حنفی ہدایہ کی اسی فصل کی شرح میں لکھتے ہیں۔ وانما اختار هذه اللفظة اعني قيام شهر رمضان اتباعاً للحديث ابي هريرة ...... كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يرغب الناس في قيام رمضان (الى) من قام رمضان الخ دیکھئے علامہ کی یہ عبارت صاف بول رہی ہے کہ حدیث من قام رمضان کا مصداق نماز تراویح ہے اور یہ کہ تراویح کا نام قیام رمضان خود حدیث میں آیا ہے۔ اسی لئے صاحب ہدایہ نے فصل فی التراویح کے بجائے حدیث کے اتباع میں تراویح کو قیام رمضان کے نام سے یاد کر کے فصل فی قیام رمضان لکھا

تھوڑی دور آگے چل کر فرماتے ہیں کہ کوئی شخص امام مالک کے مسلک پر چھتیس رکعتیں پڑھنی چاہئے تو اس کو چاہئے کہ امام اعظم کے قول کے مطابق بیس رکعتیں جماعت کے ساتھ پڑھے جیسا کہ مسنون ہے اور باقی سولہ رکعتیں اکیلا (بلا جماعت کے) پڑھے۔ اس لئے کہ وہ تراویح نہیں ہیں بلکہ وہ مطلق نوافل ہیں اور ایسے نوافل میں جماعت مکروہ ہے۔ بل هو نفل مبتدأ والجماعة فيه مكروهة۔ کیا اس تصریح کے بعد بھی یہ کہنا ممکن ہے کہ عینی کی تحقیق میں تراویح کے علاوہ دوسرے نوافل کی جماعت بھی مستحب ہے جب کہ یہاں وہ صاف صاف لکھتے ہیں کہ تراویح کے علاوہ جو نفل ہے اس میں جماعت مکروہ ہے۔ (دیکھو بنایہ ص۲۶۶ ج۱)۔

اور اسی جگہ سے حضرت مرحوم کی اس بات کی کمزوری بھی ظاہر ہو جاتی ہے جو انھوں نے اپنے فتوے کے آخر میں لکھی ہے کہ "چالیس رکعت کا عمل جو مالکیہ کا عمل تھا اور اہل مکہ کا عمل اسی کا موید ہے"۔ اس لئے کہ مالکیہ کا عمل اگر جماعت کے ساتھ چالیس پڑھنے کا تھا تو یہ عمل محققین حنفیہ ابن الہمام اور عینی وغیرہم کے نزدیک قابل اعتراض اور سنت صحابہ کے خلاف ہے۔ پس جو عمل خود خلاف سنت ہو اس سے کسی عمل کی تائید کیونکر حاصل ہو سکتی ہے؟

علاوہ بریں مالکیہ کا عمل حضرت کی رائے کا موید اس لئے بھی نہیں ہو سکتا کہ مالکیہ پوری چھتیس یا چالیس رکعتوں کو تراویح کہتے ہیں۔ لہذا غیر تراویح میں جماعت کرنا مالکیہ کے عمل سے بھی ثابت نہیں ہوا۔

اور اگر مالکیہ کا عمل یہ تھا کہ بیس جماعت سے پڑھتے تھے اور سولہ فرداً فرداً تو یہ بجائے حضرت کے حق میں ہونے کے ہمارے حق میں ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز حضرت کا عمل اہل مکہ کو اپنا موید بتانا ہے اس لئے کہ اہل مکہ جو تراویح کی ہر چار رکعتوں کے بعد طواف کرتے تھے اور طواف کے بعد نفل طواف

کی دو رکعتیں پڑھتے تھے تو اکیلے اکیلے پڑھتے تھے نہ کہ جماعت سے لہٰذا یہ ہماری بات کا مؤید ہوا یا حضرت کی بات کا؟

(۱۳) حضرت نے اپنے فتوے میں حافظ ابن حجر کا بھی نام لیا ہے۔ لہٰذا ایک تحقیق ان کی بھی سنتے چلئے۔ حافظ ابن حجر تراویح کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سمیت الصلوٰۃ بالجماعۃ فی لیالی رمضان التراویح لانھم اول ما اجتمعوا علیھا کانوا یستریحون بین کل تسلیمتین (فتح الباری ص۲۵۰ ج۴) یعنی رمضان کی راتوں میں جو نماز جماعت سے پڑھی جاتی ہے اس کا نام تراویح اس لئے پڑا کہ اوّل اوّل جب نماز پر مجتمع ہوئے تھے تو ہر دو سلاموں پر دم لیتے تھے۔ حافظ ابن حجر کے ارشاد سے واضح ہو گیا کہ ان کے علم میں بھی رمضان کے مہینہ میں جماعت سے پڑھی جانیوالی نماز صرف تراویح ہے۔

(۱۴) حضرت نے اس فتوی میں مؤطا امام محمد کی ایک عبارت بھی نقل کی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اس سے بھی حضرت کے مدعا کی تائید نہیں بلکہ تردید ہوتی ہے۔ اس عبارت کو پڑھنے سے پہلے یہ سن لیجئے کہ مؤطا میں ایک باب کا عنوان ہے "باب قیام شھر رمضان وما فیہ من الفضل" مولانا عبدالحی صاحب نے قیام شہر رمضان پر حاشیہ لکھا ہے ویسمی التراویح اس باب کی پہلی حدیث وہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تین راتوں میں تراویح پڑھنا مذکور ہے اور آخری روایت میں حضرت عمرؓ کا تراویح کی ایک جماعت پر سب کو جمع کرنے کا اور اس جماعت کا امام حضرت ابی کو بنانے کا واقعہ ذکر کرکے متصلاً امام محمد نے فرمایا وبھذا ناخذ لا بأس بالصلوٰۃ فی شھر رمضان ان یصلی الناس تطوعاً بامام لان المسلمین قد اجمعوا علی ذلک ورأوہ حسناً۔ (مؤطا) کی پوری اور صحیح عبارت اس طرح ہے' مولانا کی نقل کردہ عبارت پوری بھی نہیں ہے اور اس میں کچھ تقدیم و تاخیر بھی ہے) یعنی ہم ان سب باتوں کو اختیار کرتے ہیں۔ کچھ حرج نہیں ہے کہ ماہ رمضان میں لوگ نفل کے طور پر ایک امام کے ساتھ پڑھیں اس لئے کہ مسلمانوں نے اس پر اجماع کیا ہے اور اس کو اچھا سمجھا ہے۔

اب قارئین غور فرمائیں کہ امام محمدؒ کے قول بھذا کلمہ کا اشارہ کس طرف ہے؟ ظاہر ہے کہ جو اوپر مذکور ہوا ہے اسی کی طرف ہو سکتا ہے اور اوپر تراویح تراویح کی جماعت اور اس پر مسلمانوں کے اتفاق کا ذکر ہے۔ لہٰذا آگے ان یصلی الناس تطوعاً سے بھی وہی مراد ہوگی۔ فرق صرف اجمال و تفصیل کا ہوگا۔ پہلے مجملاً کہا کہ ہم ان سب باتوں کو قبول کرتے ہیں۔ پھر اس کی تفصیل کی کہ رمضان میں ایک امام کے ساتھ بطور نفل کے تراویح پڑھنے پر چونکہ مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے اس لئے اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اسی لئے مولانا عبدالحی صاحب نے تطوعاً پر حاشیہ لکھتے ہوئے فرمایا اطلاق التطوع علی التراویح باعتبار انھا زائدۃ علی الفرائض۔ (یعنی تراویح پر تطوع کا اطلاق اس لحاظ سے ہے کہ وہ فرائض سے زائد ہے)۔

نیز یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ تراویح باجماعت ہی وہ تطوع ہے جس پر مسلمانوں کا اجماع ہوا ہے۔ رمضان کے نوافل میں دوسری کوئی چیز نہیں ہے جس پر اجماع ہوا۔

مگر حضرت مرحوم نے صرف تطوعاً کا لفظ دیکھ کر اس عبارت کو اپنے مدعا کی تائید میں نقل کر دیا۔ حالانکہ حضرت کو سوچنا چاہئے تھا کہ اس تطوعاً سے وہی تطوع مراد ہو سکتا ہے جس کی طرف بھذا کلمہ کے ذریعہ اشارہ کیا گیا ہے' اور جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس میں رمضان کے دوسرے نوافل کی جماعت کا اور ان کو امام کے ساتھ پڑھنے کا قطعاً ذکر نہیں ہے اور جب نہیں ہے تو اس کے جواز پر امام محمدؒ کے اس قول سے استدلال بھی جائز نہیں ہو سکتا۔

(۱۵) امام محمدؒ کے بعد حضرت نے حاکم کا نام لیا ہے اور انکی "کافی" کی عبارت سے اپنے مدعا پر استدلال کیا ہے۔ ناچیز کہتا ہے کہ حاکم کی کافی امام محمد کی کتاب الاصل کا مختصر ہے اور سرخسی کی مبسوط اسی کافی کی شرح ہے۔ کافی اگرچہ طبع نہیں ہوئی مگر اس کے متعدد نسخے ہندوستان میں موجود ہیں اور ہم نے دیکھے ہیں لیکن اس وقت اس کی طرف

مراجعت ممکن نہیں ہے اس لئے ہم اس وقت اس کی شرح مبسوط کی طرف رجوع کرتے ہیں تو اس میں یہ پاتے ہیں۔ والاصل فی التطوعات ترک الجماعة ما خلا قیام رمضان لاتفاق الصحابة علیه وکسوف الشمس لورود الاثر به (باب الکسوف)

مبسوط کی اس عبارت میں "لاتفاق الصحابة علیه" سے صاف واضح ہو گیا کہ قیام رمضان سے تراویح مراد ہے اس لئے کہ اسی کی جماعت پر صحابہ نے اتفاق کیا تھا جس کو بچہ بچہ جانتا ہے۔

اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ہم کو کافی کے بجائے خود امام محمد کی کتاب الاصل کی عبارت مل گئی اور صاحب بدائع نے اس کی جو شرح فرمائی ہے وہ بھی دستیاب ہو گئی، ملاحظہ ہو۔ صاحب بدائع باب الکسوف میں فرماتے ہیں۔ فقد ذکر محمد رحمة الله تعالی فی الاصل ما یدل علی عدم الوجوب (ای عدم وجوب صلاة الکسوف) فانه قال ولا تصلی نافلة فی جماعة الا قیام رمضان وصلاة الکسوف۔ پھر کئی سطروں کے بعد صاحب بدائع فرماتے ہیں۔ الا تری انه قرنها بقیام رمضان وهو التراویح وانها سنة مؤکدة (ص۲۸۰ ج۱) الحمد لله کہ اس عبارت نے معاملہ کو بالکل صاف کر دیا اور خود صاحب بدائع جو حضرت کے نزدیک متقدمین میں سے ہیں انھوں نے تصریح کر دی کہ حاکم کی کتاب کافی کی اصل میں جہاں قیام رمضان کی جماعت کو کراہت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، وہاں قیام رمضان سے صرف تراویح مراد ہے۔ لہذا حضرت کا یہ فرمانا کہ "امام محمد، حاکم اور صاحب بدائع متقدمین نے قیام رمضان کا استثناء کیا جو کہ مخصوص بالتراویح نہیں ہے" قطعاً صحیح نہیں رہا، بلکہ خود متقدمین کی تصریح سے یہ ثابت ہوا کہ قیام رمضان کا لفظ اس جگہ مخصوص بالتراویح ہے۔

(۱۶) حاکم کے بعد حضرت رحمة الله علیہ نے صاحب بدائع المتوفی ۵۸۷ھ کا نام لیا ہے اور ان کو بھی متقدمین میں شمار کیا ہے اور بدائع کی یہ عبارت نقل کی ہے۔ ان الجماعة فی التطوع لیست بسنة الا فی قیام رمضان۔ اور اس کو نقل کر کے فرمایا ہے "لفظ قیام رمضان مخصوص بالتراویح نہیں ہے۔" حالانکہ ابھی ہم نے دکھایا ہے کہ خود صاحب بدائع قیام رمضان کی تفسیر تراویح سے کرتے ہیں۔

اس کے بعد ہم گذارش کرتے ہیں کہ حضرت مرحوم نے بدائع کی عبارت خود بدائع سے نقل نہیں کی۔ شامی سے نقل کی ہے اگر حضرت بدائع دیکھ لیتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ یہ عبارت اور اس کا اطلاق ان کے لئے مفید نہیں ہے۔ اس لئے کہ صاحب بدائع نے اپنے اس دعوے کی جب دلیل بیان کی ہے تو انھوں نے تصریح کر دی ہے کہ میری مراد قیام رمضان سے تراویح ہے۔ لیجئے ان کے الفاظ پڑھئے۔ لان الجماعة من شعائر الاسلام وذلک مختص بالفرائض او الواجبات دون التطوعات وانما عرفنا الجماعة سنة فی التراویح بفعل رسول الله صلی الله علیه وسلم واجماع الصحابة رضی الله عنهم۔ کہئے کیا اس کے بعد بھی یہ کہنا یا سمجھنا ممکن ہے کہ قیام رمضان مخصوص بالتراویح نہیں ہے۔

جب قیام رمضان کو کراہت جماعت کے حکم سے مستثنیٰ کرنے والے خود اقراری ہیں کہ قیام رمضان بول کر ہم نے صرف تراویح کو مراد لیا ہے، لہذا تراویح اور کسوف کو چھوڑ کر کسی نفل میں جماعت، سنت اور مستحب تو کیا مندوب بھی نہیں۔ بلکہ مکروہ ہے۔

(۱۷) ہم نے کراہت جماعت تہجد کے مسئلہ کو جتنا صاف کر دیا ہے اس کے بعد کسی مزید شہادت کی ضرورت نہیں رہ جاتی تاہم ایک نہایت وزنی شہادت جو صاحب بدائع سے بھی قدیم تر کی شہادت ہے اس کو پیش کئے بغیر آگے بڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔ امام سرخسی حنفی المتوفی ۴۸۳ھ مبسوط میں یہ ذکر کرنے کے بعد کہ "امام مالکؒ کے نزدیک تراویح کے باب میں سنت یہ ہے کہ ۳۶ رکعات پڑھی جائیں" فرماتے ہیں کہ جو امام مالکؒ کے قول پر عمل کرنے کا ارادہ کرے اس کو چاہئے کہ بیس رکعتیں جیسا کہ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں جماعت کے ساتھ پڑھے جیسا کہ سنت ہے اور باقی سولہ رکعتیں اکیلا پڑھے۔ یہ ہمارا مذہب ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کل ۳۶ کو جماعت سے پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے ان کی (امام شافعی کی) بنیاد یہ ہے کہ ان کے یہاں نوافل کی جماعت مستحب ہے اور ہمارے یہاں مکروہ ہے۔ اس کے بعد امام سرخسی فرماتے ہیں کہ "مگر ہم جو کچھ کہتے ہیں اس کا حق ہونا اس بات سے

ظاہر ہے کہ اگر (تراویح کے علاوہ) دوسرے نوافل رمضان و غیر رمضان میں بھی جماعت سے مستحب ہوتی تو ہمارے اسلاف جو عبادت میں نہایت محنتی اور تہجد گذار تھے وہ ضرور ان نوافل کو جماعت سے پڑھتے' اس لئے کہ جو نماز اکیلے اور جماعت کے ساتھ دونوں طرح جائز ہے اس میں جماعت افضل ہے۔ مگر عصر نبوی یا عہد صحابہ یا عہد تابعین کسی زمانہ میں بھی ان نوافل کو جماعت سے پڑھنے کو کسی نے نقل نہیں کیا۔ لہٰذا تراویح (بیس رکعت) سے زیادہ کسی نفل کی بھی رکعتوں کو جماعت سے پڑھنے کو خالی از کراہت یا مستحب کہنا ساری امت کے خلاف ہے اور یہ باطل ہے۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو۔ وقال الشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ لا بأس باداء الکل بجماعۃ کما قال مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ بناءً علی ان النوافل بجماعۃ مستحب عندہٗ وھو مکروہ عندنا (الی ان قال) یوضح ما قلنا ان الجماعۃ لو کانت مستحبۃ فی حق النوافل لفعلہا المتہجدون القائمون باللیل لان کل صلاۃ جوزت علی وجہ الانفراد و بالجماعۃ کانت الجماعۃ فیھا افضل ولم ینقل اداءھا بالجماعۃ فی عصرہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا فی زمن الصحابۃ رضوان اللہ علیہم اجمعین ولا فی زمن غیرھم من التابعین فالقول بھا مخالف لزومۃ اجمع وھذا باطل (مبسوط ص۱۴۴/ج۲)

ہمارے اس مفصل بیان سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ کتب فقہ کی جن عبارتوں میں کسوف اور قیام رمضان کے استثناء کے بعد تمام نوافل کی جماعت کو خواہ وہ نوافل رمضان ہوں یا نوافل غیر رمضان۔ ان میں قیام رمضان سے مراد صرف تراویح ہے اور ان عبارتوں میں قیام رمضان کو مخصوص بالتراویح کہنا قول مرجوح نہیں' وہی قول راجح ہے' بلکہ اس کے سوا کوئی قول ثابت ہی نہیں ہے۔ لہٰذا حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے فتوے کو جو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے قول مرجوح پر مبنی قرار دیا ہے وہ محض خیالی بات ہے۔ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کا فتویٰ بالکل حق' قول راجح پر مبنی اور جملہ متقدمین و متاخرین فقہائے حنفیہ کی تصریحات کے مطابق ہے اور وہ فتوے یہ ہیں:۔

"جماعت نوافل کی سوائے ان مواقع کے کہ حدیث سے ثابت ہیں مکروہ تحریمہ فقہ میں لکھا ہے اگر تداعی ہو اور مراد تداعی سے چار آدمی مقتدی کا ہونا ہے پس جماعت صلاۃ کسوف' تراویح' استسقاء کی درست ہے اور باقی سب مکروہ ہے۔ کذا فی کتب الفقہ

(فتاویٰ رشیدیہ جلد اوّل ص۴۳۸و۴۹۳)

اور فتاویٰ رشیدیہ کی دوسری جلد ص۶۶ میں ایک سائل نے پوچھا ہے کہ "رمضان شریف میں بعض حفاظ نماز تہجد میں باہم قرآن شریف سنتے سناتے ہیں اور دو چار آدمی اور بھی جماعت میں شریک ہو جاتے ہیں" اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ

"نوافل کی جماعت تہجد ہو یا غیر تہجد سوائے تراویح کسوف و استسقاء کے اگر چار مقتدی ہوں حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمہ ہے خواہ خود جمع ہوں خواہ بطلب آویں اور تین میں خلاف ہے اور دو میں کراہت نہیں کذا فی کتب الفقہ"

حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہٗ کے فتوے کی تائید ان تمام حوالجات سے ہوتی ہے جو اوپر گذر چکے ہیں۔ اخیر میں ایک اور حوالہ ملاحظہ فرمائیے۔ کتب فقہ میں جہاں نوافل کا بیان آتا ہے وہاں فقہا لکھتے ہیں "عیدین کی راتوں میں اور پندرھویں شعبان کو اور رمضان کے آخری عشرہ میں اور ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتوں میں بیداری و عبادت مستحبات میں سے ہے" اس مقام پر حاوی قدسی میں مصرح ہے جیسا کہ شامی نے نقل کیا ہے کہ وما روی من الصلوات فی ھذہ الاوقات یصلی فرادی غیر التراویح (ص۶۴۸) یعنی ان اوقات مذکورہ بالا میں جو نمازیں مروی ہیں ان کو تنہا تنہا پڑھنا چاہئے بجز تراویح دیکھئے کس قدر صاف و صریح تائید ہے اور یہ عبارت بھی کسی متاخر کی نہیں ہے' بلکہ متقدم کی ہے۔ حاوی قدسی کا مصنف ۶۰۰ھ کے حدود میں گذرا ہے۔

تنبیہات:۔ مضمون کو ختم کرنے سے پہلے چند باتوں پر متنبہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ کسی کو غلط فہمی نہ ہو۔

(تنبیہ اول) حضرت مدنی رحمہ اللہ کی یہ بات اور بھی قابل تعجب ہے کہ وہ رمضان کی جملہ نوافل کی جماعت کو مستحب اور ترغیب من قام رمضان کے ماتحت داخل قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ ترغیب من قام رمضان سے خود تراویح کی جماعت کا استحباب بھی ثابت نہیں ہوتا۔ تا بہ دیگر چہ رسد۔ اس سے تو صرف نفس قیام کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

(تنبیہ ثانی) اپنے فتوے کے اخیر میں حضرت مدنی رحمہ اللہ نے حضرت حاجی صاحب اور حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے معمول سے حجت پکڑی ہے۔ اس کے جواب میں اپنی طرف سے میں کوئی بات عرض نہیں کرنا چاہتا، بلکہ خود حضرت مدنیؒ نے ایک سائل کے جواب میں جو ارشاد فرمایا ہے اس کو ہی نقل کر دینا کافی سے زیادہ خیال کرتا ہوں۔ وھو ھذا۔

ہم سب اور ہمارے اسلاف کرام حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں۔ امام مذکور کے ہم خوشہ چین ہیں۔ ان کے احسان اور علوم سے استفادہ کرنے والے اور شکر گذار ہیں مگر تقلید صرف امام ابو حنیفہؒ کی کرتے ہیں۔۔۔۔ بہرحال ہمارے اکابر فقط امام صاحب کی فقہ کے مقلد ہیں دوسرے کے اقوال کو مرجوح سمجھتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کو جو کہ سلسلے کے بہت بڑے امام ہیں امام ابو حنیفہؒ کے مقابل میں مطاع قرار نہیں دیتے۔ حجۃ اللہ البالغہ کی جلد ثانی میں شاہ صاحبؒ نے بہت سے مسائل میں خلاف فرمایا ہے۔ ان پر نہ تو ہم فتوے دیتے ہیں نہ عمل کرتے ہیں۔ اسی طرح علامہ ابن ہمام وغیرہ دوسرے اکابر کے تفردات بھی ہم معمول بہا نہیں قرار دیتے، اور یہی مسلک ہم نے اسلاف کرام سے ارث پایا ہے۔

پھر آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ ایسا کرنے سے احترام میں کوئی خلل نہیں پڑتا، جیسا کہ شاہ صاحبؒ کے ان اقوال کے نہ ماننے سے ان کے احترام میں فرق نہیں پڑتا ہے۔ (مختصراً)

حضرت کے اس ارشاد کے بموجب گذارش ہے کہ فقہ حنفی کی تصریحات کے مطابق جب رمضان میں تراویح کے سوا دوسری نوافل کی جماعت کا مکروہ ہونا ثابت و محقق ہے تو اس کے مقابلہ میں حضرت حاجی صاحب قدس سرہ اور حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ کے اس معمول کی پیروی کرنا جو خلاف فقہ حنفی ہے، خود حضرت مدنیؒ کی تصریح کے بموجب اکابر کے مسلک کی خلاف ورزی ہے۔ لہذا فتوی اور عمل کتب فقہ حنفی کے مطابق ہی ہونا چاہئے اور ان حضرات کے فعل کی یہ تاویل کر لینی چاہئے کہ حاجی صاحب قدس سرہ مکہ میں جہاں شوافع بکثرت ہیں شوافع کے مسلک کی اس باب میں پیروی کر لیتے تھے اور حضرت شیخ الہندؒ اپنے پیر کے عمل کو اپنی تحقیق و علم پر ترجیح دیتے تھے جو ان کا ذاتی مذاق تھا، اس پر فتوی اور عمل کی بنیاد قائم نہ کرنی چاہئے۔ واللہ اعلم۔

جواب:-

یہ خط ظاہر ہے کہ "سوال" نہیں ہے، بلکہ ایک تنقیدی مقالہ کی حیثیت رکھتا ہے لہذا "جواب" کا تو کوئی موقع نہیں۔ ہاں اگر حاجی کی رائے مولانا مدنی رحمہ اللہ کے موافق اور رشیدی صاحب کے مخالف ہوتی تو جوابدہی کا موقع تھا، لیکن اعتراف کرنا چاہئے کہ تحقیقی اعتبار سے رشیدی صاحب کا نقطہ صحیح ہے اور رمضان میں علی الاطلاق جماعت نوافل کے استحباب کا فتوی دینا مسلک احناف کے بالکل خلاف اور دلائل قویہ سے محروم ہے۔

ہمارے یہاں۔۔۔۔ بلکہ عموماً ہماری مشکل یہ ہو گئی ہے کہ کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے محققانہ انداز میں تمام ہی پہلوؤں اور گوشوں پر نظر نہیں رکھی جاتی نہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ موافق دلائل کیا ہیں اور مخالف کیا اور موازنے کے بعد کس جانب وزن زیادہ ہے۔ صورت یہ پیش آتی ہے کہ ہم نے کسی وقت بس اتفاقاً ہی اپنے ذوق و مذاق یا ہنگامی تاثرات کے تحت ایک چیز کو پسندیدہ سمجھ لیا اور اختیار کر بیٹھے۔ کچھ دنوں عمل پیرا رہنے کے بعد یہ ابتدائی بات تو ہمارے ذہن سے نکل جاتی ہے کہ اس چیز کا پسند کرنا کسی مضبوط دلیل کی بنا پر نہیں تھا، بلکہ اس لئے تھا کہ جذبات کی رو ہمیں اس کی طرف لے گئی تھی۔ بس ہم ایسا محسوس کرنے لگتے ہیں گویا اس چیز کا پسندیدہ ہونا تو ایک طے شدہ معاملہ ہے۔ اب اگر کوئی سائل اس کے بارے میں سوال کرتا ہے تو ہم کتابوں کی طرف مائل ہو کر اس کی محمودیت کے دلائل تلاش کرتے ہیں۔ اس تلاش میں اگر

متعدد قوی دلائل ہمارے سامنے اس طرح کے آتے جائیں کہ ان سے اُلٹی بدعت وکراہت ثابت ہونے لگے تو ہم تنگ دلی کے ساتھ اوراق اُلٹتے چلے جاتے ہیں اور صرف وہی عبارات تلاش کرتے ہیں جو ہمارے خیال ورائے کی دلیل بن سکیں۔ جو ینہ یا بن۔ کچھ نہ کچھ سطریں اور فقرے ایسے مل ہی جاتے ہیں کہ نہ ہی تصریحاً اشارۃً ہی ان سے اپنے موقف کے لئے مدد لی جا سکتی ہے۔ بعض دفعہ اشارۃً بھی جوڑ نہ مل سکتا ہو تو محض مناسبت لفظی اور طبع زاد حجانو کناتے تاک سے کام نکال لیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں جیسا کچھ احقاقِ حق ہو سکتا ہے محتاجِ تصریح نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ ہونے کا فتویٰ بھی اسی قبیل کی ایک دلچسپ مثال تھا۔ اور ایسی دلچسپ مثالیں عموماً ان بزرگوں کے دائرۂ فکر وعمل میں کافی ملیں گی جو طبعاً بہت نیک، بہت عبادت گذار، بہت ستودہ صفات اور صاحبِ علم ہونے کے باوجود فراست وذکاوت اور فہم وخرد کی نعمتِ خداداد سے وافر حصہ نہیں پا سکے۔ آخر غلط تو نہیں کہ من بھر علم کے لئے دس من عقل چاہیئے یا پھر ان لوگوں پر کوئی خاص رجحان ومذاق اس قدر حاوی وطاری ہو گیا کہ علم وعقل دونوں اسی کے رنگ میں رنگے گئے اور ان کے ہر فکر واجتہاد میں یہ رنگ ایک قدرِ مستقل کے طور پر شامل ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ دوسرے لوگ تو اسے کوئی معقول اہمیت نہیں دے سکتے تھے۔ انھوں نے جرح وتنقید کرتے ہوئے عقدہ یہ کوشش کی کہ گفتگو خالی معقولیت کی بنیاد پر ہو لیکن یہ کوشش اس لئے بے سود ہوئی کہ جس طرح رنگین شیشے کی عینک لگا کر کسی بھی شے کو اس کے خالص رنگ میں دیکھنا ممکن ہی نہیں ہے اور شیشے کا رنگ ہر شے میں ایک قدرِ مستقل بن کر سما جاتا ہے اسی طرح جو خاص رجحان ومذاق ان کے فکر واجتہاد میں سمایا ہوا تھا اسے کھرچ کر الگ کریں تو کیونکر۔ وہ تو روح بن چکا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ جس چیز کو اس رجحان ومذاق کی عینک نے سبز رنگ کا دکھایا وہ زرد تھی، مگر زرد کہنے والوں کا اعتبار کیسے آتا جب عینک تو سبز دکھا رہی ہے۔

یہ نفسیات کے اساسی اشارے ہیں۔ روئے سخن کسی خاص شخصیت کی طرف نہیں جس کے سر پہ فٹ آتے یہ ٹوپی اُڑھا دی جائے ہم نے سنا تھا کہ حضرت مفتی مہدی حسن صاحب نے سامنے کے متعلق ہمارے نقد کا جواب لکھا ہے۔ صرف سنا ہی نہیں تھا بلکہ کچھ ثقہ لوگ یہاں تک بتاتے ہیں کہ انھوں نے یہ جوابی مضمون کئی اور متعدد لوگوں کو سنایا۔ ہمیں انتظار ہی رہا کہ کب کہاں چھپے اور کب ہم موصوف کی گہر افشانیوں سے مستفید ہوں۔ ظاہر ہے علمی مسائل میں ذاتی نفع ونقصان کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔ اگر حضرت موصوف یا کوئی اور شخص مستحکم دلائل کے ساتھ ثابت کر دیگا کہ سائے کے مسئلہ میں ہمارا انتقاد غلط تھا اور قوی بات یہی ہے کہ خاتم النبیینؐ کا سایہ نہیں تھا تو ہم بخوشی — بلکہ براہِ تشکر ہم اپنے خیال سے رجوع کر کے آمنا وصدقنا کہہ اٹھیں گے۔ لیکن خدا جانے وہ جوابی مضمون کس گوشۂ خفا میں جا چھپا کہ آج تک چھپتا ہے نہ کل۔ خیال یہ ہے کہ شاید وقتی جوش کے بعد حالتِ سکون میں اپنے مضمون پر نظرِ ثانی کرتے ہوئے حضرت موصوف کو اس کی صحیح حیثیت کا خود ہی احساس ہو گیا ہو گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

"جماعتِ نوافل" کی بحث میں ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتے کہ ہمارے مکتبِ فکر کے شہرۂ آفاق عالم وفقیہ حکیم الامت مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے خلاف ہی فتویٰ دیا ہے۔

امداد الفتاویٰ جلد اول ص۴۳۵ (مطبوعہ ادارہ اشرف العلوم کراچی) پر دو فتوے اس مضمون کے موجود ہیں کہ تراویح کے علاوہ رمضان میں بھی کوئی نفل باجماعت کراہت سے خالی نہیں۔ الّا یہ کہ صرف دو آدمی جماعت کر لیں۔ تین ہوں تو کراہت میں اختلاف ہے اور تین سے زیادہ ہوئے تو بلا اختلاف مکروہ ہے (یعنی فقہائے احناف میں اس سے کسی کو اختلاف نہیں)۔ حکیم الامت نے اپنی عادت کے مطابق درمختار سے استشہاد بھی کیا ہے۔ پھر فتح القدیر کی اس عبارت کا:-

والجماعۃُ فی النفلِ فی غیرِ رمضانَ مکروہۃٌ

یہ مقصود بیان کیا ہے کہ یہاں یہ ثابت نہیں کیا جا رہا کہ رمضان میں نفلوں کی جماعت مکروہ نہیں ہے، بلکہ یہ بتایا جا رہا ہے کہ غیر رمضان میں جماعتِ نوافل کلیۃً مکروہ ہے۔ "غیر رمضان" کی شرط اس لئے لگائی گئی کہ رمضان میں وتر اور تراویح کی جماعت مسنون ومستحسن ہے نہ کہ مکروہ۔ اور یہ کہ ان دونوں نمازوں

کے بارے میں فقہا کے یہاں اصطلاح چاہے واجب یا سنت یا مکروہ وغیرہ کی ہو لیکن بہر حال یہ جنس و جنس نفل ہی ہیں۔ اسلئے غیر رمضان کی قید اسکے پیش نظر احتیاطاً لگائی گئی۔ نیز یہ کہ رمضان میں ان کے علاوہ بھی نوافل کی جماعت کا جائز ہونا ثابت کیا گیا۔

اب گویا فقہائے احناف کی جانب سے عموماً اور دیوبندی مکتب فکر کے دو محترم اکابر مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہما کی طرف سے خصوصاً یہ گواہی مل گئی کہ وتر و تراویح کے علاوہ رمضان میں بھی جماعت نوافل مکروہ ہے۔ پھر بھی اگر مفتی مہدی حسن صاحب کے نزدیک مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہی حجت ہے تو اس حسن عقیدت اور تقلید کامل کے لئے آپ ہی کوئی مناسب لقب ڈھونڈیئے ہم تو ہار گئے۔

جماعت تبلیغی

سوال: ۔۔ از حافظ علی خان۔ راولپنڈی

(۱) محلہ یا بستی میں گشت کرکے لوگوں کو جو مکان میں یا دکان وغیرہ میں مل جائیں مسجد میں نماز کے لئے لایا جاتا ہے چاہے کوئی اپنے کپڑوں و جسم وغیرہ کے عدم طہارت کی وجہ سے مسجد میں آنے کے نا قابل ہو اور وہ عذر بھی پیش کرے۔ ایک مولوی صاحب سے دریافت کیا گیا کہ ایسے لوگوں کو مسجد میں لانے سے کیا فائدہ جو شرائط نماز کے مطابق نہ ہوں۔ تو کہنے لگے کہ ہر شخص کے لئے الگ شرطیں ہیں اور پھر جب مسجد میں آنے لگے گا تو شرطیں بھی پوری ہو جائیں گی۔

مسجد میں لوگوں کو جمع کرکے وعظ و نصیحت کی جاتی ہے نماز کے فضائل بتلائے جاتے ہیں اور اس طریق کو سنت رسولؐ و صحابہ کرام بتلایا جاتا ہے۔

(۲) کہا جاتا ہے کہ ہر شخص پر تبلیغ دین فرض ہے۔ کیونکہ اب کوئی نبی نہیں آتا۔ اس لئے نبی کا کام امت پر فرض کر دیا گیا ہے اور اس کام کا طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنی عمر میں چار ماہ اور ایک سال میں ۴۰ یوم ایک ماہ میں تین یوم اپنا وقت دے اور جماعت کے ساتھ تبلیغ کے لئے نکلے اور اپنا نام لکھائے اور اس پر بہت زیادہ اصرار کیا جاتا ہے۔ بار بار ہر شخص سے پوچھا جاتا ہے اور کہتے ہیں جو شخص دین کے لئے نکلتا ہے اس کو ایک ایک قدم پر سات لاکھ تک نیکی کا ثواب ملتا ہے اور ایک روپیہ خرچ کرنے پر سات لاکھ روپیہ تک خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ اس طریقہ کو بھی انبیاء کی سنت بتلایا جاتا ہے تبلیغ دین کے لئے تو کسی کو کوئی انکار یا عذر ہو ہی نہیں سکتا۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا یہی طریقہ انبیاء کا ہے؟ اور اسی طریقہ سے تبلیغ دین ضروری ہے؟ اور جو لوگ تبلیغی جماعت میں شامل نہ ہوں اور باہر نہ جائیں کیا وہ گنہگار ہوں گے؟ کیونکہ تبلیغی جماعت والے قرآن کریم کی یہ آیت اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا پیش کرکے یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تبلیغ کا حکم دیا ہے۔

آیت مذکورہ جہاد فی القتال کے موقع کے لئے ہے یا کہ اس موقع کے لئے جیسا کہ یہ حضرات بتلاتے ہیں؟

جواب: ۔

جماعت تبلیغی کے طریقہ کار کے بارے میں ہماری رائے چھپی ڈھکی نہیں۔ متعدد بار اشارۃً اور صراحۃً اسے ظاہر کر چکے ہیں۔ تبلیغ کا یہ طریقہ جس کا آپ نے مختصر ذکر فرمایا اور جو ہمارے علم میں پہلے سے ہے نہ طریق انبیاء ہے نہ اس سے اجتماعی پیمانے پر کسی قابل لحاظ اصلاح کی امید ہے۔ ہاں کچھ افراد ضرور ایک شغل نیک میں لگ سکتے ہیں۔

آیات و روایات کا بے جا استعمال ۔۔ یعنی مصداق اور شان نزول سے ہٹا کر اپنے موقف کی تائید میں زبردستی استعمال اتنا زیادہ رواج پا گیا ہے کہ اب جماعت تبلیغی ہی کو کیا الزام دیں پھر اس میں تو غالب اکثریت ہی ان نیک بندوں کی ہے جن کی علم و عقل کے جھنجھٹ میں پڑنا نہیں چاہتی۔ تب کیسی بحث اور کس کا نقد۔

ویسے آیت انفروا خفافا وثقالا کی حقیقت اور مصداق صحیح دیکھنا چاہیں تو سورۂ توبہ کسی مترجم قرآن میں پڑھ ڈالئے۔ بلا ادنیٰ تامل پتا چل جائے گا کہ اسے جماعت تبلیغی کی امن پسندانہ نقل و حرکت اور صلح جویانہ قریہ نوردی اور گشت کی دلیل بنا کر پیش کرنا قرآن کے ساتھ ایک جاہلانہ مذاق سے زیادہ کچھ نہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ سوال کے تمام گوشوں کا جواب اسی روشنی میں خود سوچ لیجئے۔

سوال :- از محمد اسحاق خاں ربانی۔ رامپور۔ نماز میں نیت

رام پور میں ایک عرصہ سے یہ بات چل رہی ہے کہ نماز کو کھڑے ہوتے وقت نیت کے الفاظ اگر عربی زبان میں ہوں تو لفظ الوقت یا لفظ الظہر کہنا واجب ہے اور اگر اردو میں نیت کرے تو وقت موجود یا آج کا ظہر کہے ورنہ صلوٰت فوائتہ کا احتمال ہے جس کی وجہ سے نماز ہی نہیں ہوتی۔ دیگر حضرات یہ کہتے ہیں کہ اول تو نیت باللفظ کی شرعاً کوئی حقیقت ہی نہیں اور اگر کوئی نادانی یا لاعلمی کی وجہ سے نیت کو لفظاً ادا کرے بھی تو لفظ الوقت یا وقت موجود وغیرہ کوئی اصلیت نہیں رکھتا۔ لہذا فیصلہ آپ پر ہی ہے۔

جواب :-

اگر کوئی شخص لفظاً نیت کرنے کو "واجب" قرار دیتا ہے تو اسے بتانا چاہئے کہ "واجب" کی تعریف اس کے نزدیک کیا ہے؟ جو تعریف اس فقہی اصطلاح کی ہمیں معلوم ہے اس کی رو سے تو نیت باللفظ کا وجوب تو درکنار سنیت و استحباب بھی تکلفاً ہی نکالا جا سکتا ہے۔ ہماری نظر سے قرآن و حدیث کا جتنا حصہ گزرا ہے اس میں تو ایسی کوئی تصریح ملتی نہیں جس سے نیت باللفظ کو کوئی خاص اہمیت دی جائے۔ بلکہ احادیث اور آثار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کی نمازوں کی جو تفصیلات آئی ہیں اور قولاً جتنا سرمایہ اس باب میں ملتا ہے اس میں نیت باللفظ کا قطعاً ذکر نہ ہونا یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ نیت باللفظ لغوی معنوں میں بدعت ہی ہے۔ ہاں چونکہ نیت قلبی اعمال کے لئے اساسی لازم کا درجہ رکھتی ہے اس لئے اس کے وجود کی تصدیق اگر الفاظ سے بھی کر دی جائے تو یہ فعل بدعت شرعی کی تعریف سے اس لئے خارج ہو جائے گا کہ یہ ایک امر ضروری ہی کا ظاہری ہیولیٰ ہے نہ کہ کوئی نئی چیز۔

بعض سطح بیں لوگ ایسے موقع پر ان احادیث کا ذکر کر سکتے ہیں جن میں نیت کو ضروری قرار دیا گیا ہے تو یہ ایک بچکانہ استشہاد ہوگا۔

نیت کا ضروری ہونا تو متفق علیہ ہے۔ الاعمال بالنیات والی روایت ایک مبتدی کو بھی معلوم ہے۔ لیکن اس کا اور اس جیسی دوسری روایات کا مصداق ارادۂ قلبی اور نیتِ باطن ہے نہ کہ الفاظ و اظہار۔

مثلاً ایک شخص جہاد میں شرکت کرتا ہے لیکن اس کے قلب میں اعلاءِ کلمۃ الحق کی بجائے مالِ غنیمت کا لالچ یا قومی عصبیت یا بہادر کہلائے جانے کا شوق پنہاں ہے تو شریعت کہے گی کہ وہ مجاہد نہیں اور اللہ کے یہاں اسے جہاد فی سبیل اللہ کا ثواب نہیں ملے گا (جیسا کہ متعدد صریح احادیث میں ہے) اب بتائیے اس نے الفاظ میں اپنی نیت کا اظہار کب کیا تھا۔ بس جو کچھ تھا دل ہی میں تھا مگر اسی سے مآلِ آخرت کا فیصلہ ہو گیا۔ علیٰ ہذا اتنی بھی مثالیں آپ چاہیں بہ آسانی مل سکتی ہیں کہ اصل اعتبار ارادۂ قلبی کا ہے اور اس ارادہ کو الفاظ کا جامہ دینے نہ دینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لہذا نماز ہی ایسی چیز کیوں ہو کہ لفظی نیت کے بغیر اس میں فساد آ جائے۔

فوت شدہ نمازوں کا احتمال نکالنا مضحکہ خیز ہے۔ نماز اللہ کے لئے پڑھی جا رہی ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ پڑھنے والا آیا کسی قضا نماز کو ادا کر رہا ہے یا وقتِ رواں کے فریضے کی نیت کر کے کھڑا ہوا ہے۔ قضا اور غیر قضا یعنی نمازوں کا حساب اسی عالم ذات الصدور کو لینا ہے نہ کہ دنیا کے کسی ایسے حاکم کو جو الفاظِ نیت سُنے بغیر اس شبہ میں مبتلا ہو جائے کہ کہیں یہ شخص پچھلی قضا نماز تو ادا نہیں کر رہا!

ہمارا صریح فیصلہ یہ ہے کہ نماز میں نیت باللفظ نہ واجب ہے نہ سنت نہ مستحب۔ جن دوستوں کو اس سے اختلاف ہو وہ دلیل پیش فرمائیں اور ساتھ ہی اس اصطلاح کی تعریف بھی کر دیں جس سے وہ نیت باللفظ کو موسوم کریں گے یعنی واجب یا سنت یا مستحب وغیرہ ہمارے نزدیک "نیت باللفظ" چیز تو اچھی ہے کہ اس سے نیت قلبی کی توثیق ہو جاتی ہے لیکن اس توثیق کے بغیر نماز میں کچھ کمی آ جانے کی اطلاع شریعت نے نہیں دی ہے۔ اگر دی ہے تو بتایا جائے کہ کہاں؟ ہم اپنی معلومات میں اضافے پر مسرور ہوں گے۔

سوال :- از ش۔ ح قریشی۔ لکھنؤ۔ جھوٹ

عرصہ ہوا مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کی ایک تحریر کا

اقتباس آپ نے رسالہ تجلی میں شائع کیا تھا جو بعینہٖ تو مجھے یاد نہیں
اس کا مطلب یہ تھا کہ جھوٹ بولنا بعض حالات میں مستحب
سنت بلکہ فرض ہو جاتا ہے۔ کیا واقعی اکابرینِ دیوبند و
ائمہ فقہ و حدیث کا یہ عقیدہ رہا ہے؟ کیا اس مسئلہ میں دیوبندی
و بریلوی علماء دونوں متحد ہیں؟ اگر یہ مسئلہ تمام اہلسنت
والجماعۃ کا متفقہ عقیدہ ہے تو تقیہ کیوں حرام ہے اس نظریے
اور تقیے میں کیا فرق ہے؟ وہ حضرات جو اس عقیدے کے قائل
رہے ہیں ساتھ ہی ساتھ سنتوں پر عمل کے بھی عادی ہوں
تو کبھی اس سنت وغیرہ پر بھی عمل کرتے دیکھے گئے ہیں؟

جوابؒ :-

کسی خاص گروہ پر منحصر نہیں۔ دنیا کے تمام ہی بالغ نظر
علماء اس بات پر متفق ہیں کہ بعض خاص حالتوں میں جھوٹ بولنا
مستحب بھی ہو سکتا ہے اور واجب و فرض بھی۔

فرض کیجیے چند غنڈے ایک جوان لڑکی کا پیچھا کرتے
ہیں۔ لڑکی غریب بھاگتی دوڑتی آپ کے گھر میں پناہ لیتی ہے۔
غنڈوں نے اسے آپ کے گھر میں داخل ہوتے نہیں دیکھا مگر
اندازاً آپ سے پوچھا کہ کیا کوئی لڑکی تمہارے یہاں چھپی ہے؟
آپ دیکھتے ہیں کہ غنڈے نہایت تن و مند اور مسلح ہیں بالجبر
لڑکی کو گھسیٹ لے جا سکتے ہیں اور آپ کسی طرح بھی ان کی راہ
نہیں روک سکتے۔ آڑے آئیں گے تو مار ڈالے جائیں گے۔

فرمایئے اس وقت آپ کو کیا کہنا چاہیے؟ کیا یہ کہ جی
ہاں لڑکی یہیں ہے ---- یا یہ کہ یہاں کوئی نہیں آیا؟ ظاہر
ہے سچ تو پہلی ہی بات ہے اور دوسری صریح جھوٹ ---- مگر
عقل و انصاف، اور شرافت و اخلاق کا ہر قانون یہی کہتا ہے
کہ آپ کو جھوٹ بول دینا چاہیے اور اسلام بھی یہی کہتا ہے۔
آپ پر صداقت بیانی کا ہیضہ پڑا تو اسلام آپ کے حق میں
ظالم، بے رحم، خاطی اور احمق کا فتویٰ دے گا۔ گویا اسوقت
جھوٹ بولنا بہتر ہی نہیں، بلکہ فرض و واجب ہو گیا ہے۔

علیٰ ہذا میاں بیوی کے درمیان جنگ ہو رہی ہے
قریب ہے کہ طلاق ان کے رشتہ ازدواج کو پارہ پارہ کر دے
اگر آپ سمجھتے ہیں کہ کوئی جھوٹی بات کہہ کر آتش جنگ کو فرو
کر سکتے ہیں اور اشتعال ختم ہو جانے کے بعد افہام و تفہیم کے ذریعہ
ان کا تنازع دور ہو جانے کی توقع ہے تو ایسے وقت میں یہ جھوٹ
بول جانا اگرچہ اس درجہ میں فرض و واجب نہیں جس درجہ میں
پہلی مثال میں تھا لیکن ہے کارِ ثواب اور فعلِ مستحسن۔

اصلاح بین الناس کے لئے بھی خاص قیود کے ساتھ جھوٹ
بولا جا سکتا ہے۔ آپ نے شیخ سعدیؒ کا فرمودہ سنا ہوگا ----
"دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز" ---- یہ ان کا طبعزاد
نہیں ہے، بلکہ دین و شریعت اور عقل و انصاف ہی کے سرچشموں سے
نکلا ہے بس الفاظ ان کے ہیں۔ باقی رہا "تقیہ" تو جبتک اس کے قائلین [illegible]

سوالؒ :- فتنہ (ایضاً)

"دو اسلام" مصنفہ ڈاکٹر برق لاہوری میں ایک بخاری
شریف کی حدیث کا حوالہ ہے کہ رسول اللہ صلعم روزے کی حالت
میں بھی مباشرت فرمایا کرتے تھے۔ حدیث مذکور حضرت عائشہؓ
کی طرف منسوب ہے۔ کیا یہ حدیث بخاری شریف میں ہے اور اسکو
صحیح تسلیم کیا گیا ہے؟

جوابؒ :-

جن لوگوں نے طے کر لیا ہے کہ احادیث کے تمام ذخیرہ کو کسی
نہ کسی طرح ناقابل اعتبار ٹھیرا کر دین کا حلیہ بگاڑ دیں گے اور قرآن
کو من مانے مفاہیم کا جامہ پہنائیں گے ان کا مشغلہ ہی یہ ہے کہ
جس طرح بھی ہو سکے احادیث کے غلط سلط معانی مشہور کریں اور
لوگوں کے قلوب و اذہان میں وسوسے ڈالیں۔

ہمیں "دو اسلام" دیکھنے کی تو سعادت نصیب نہیں ہوئی نہ
اس وقت ہی مہیا ہو سکی۔ تاہم یہ بالکل ظاہر ہے کہ برق صاحب
نے "کتاب الصوم" کی مندرجہ ذیل روایت لی ہوگی۔

عن عائشۃ قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقبل و یباشر وھو صائم وکان املکم لاربہ

حضرت عائشہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالتمیں بوسہ بھی لیتے تھے اور مباشرت بھی فرماتے تھے اور وہ تم سب سے زیادہ ضبط نفس پر قادر تھے

+ + + +

اس روایت میں برق صاحب کو لفظ مباشرت نظر آیا
اور پھر انھیں یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوئی کہ عنوانِ باب کیا ہے
اسی عنوان میں خود حضرت عائشہؓ ہی کی زبان سے مباشرت کی

[illegible]

تشریح بھی موجود ہے اور روایت کا سباق و سیاق کیا کہہ رہا ہے انھیں تو احادیث کا مضحکہ اڑانے اور کم علم عوام کو وسوسوں میں مبتلا کرنے سے کام ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کے پڑھنے والوں میں چند ہی لوگ بخاری تک ہاتھ بڑھانے اور مذکورہ روایت نکالکر دیکھنے اور سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا وہ اگر اصل بات سمجھ بھی لیں تو کوئی مضائقہ نہیں اکثر و بیشتر ناظرین تو بخاری کی بدگمانی میں مبتلا ہو ہی جائیں گے۔

ذرا دیکھئے عنوانِ باب ہے:۔

المباشرۃ للصائم وقالت عائشۃ یحرم علیہ فرجہا (باب روزے دار کے لئے جوازِ مباشرت میں۔ اور حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ روزے دار پر عورت کی فرج حرام کر دی گئی ہے)۔

اندازہ کیجئے کیا کسی احمق سے احمق آدمی کو بھی یہ گمان ہو سکتا ہے کہ یہاں "مباشرت" سے مراد وطی (صحبت) ہے اگر یہی مراد ہوتی تو ساتھ ساتھ "مباشرت" کی تشریح میں حضرت عائشہؓ کے ارشاد کی کیا تُک تھی۔ نیز یہ کس کے تصور میں آسکتا ہے کہ روزے کی حالت میں حرمتِ وطی کے صریح حکمِ قرآنی کے ہوتے ہوئے کوئی امام بخاری جیسا مسلّم امام تو کیا ایک معمولی عالم بھی یہ حماقت کر سکتا ہے کہ اپنی کتاب میں "جوازِ وطی فی الصوم" کا عنوان باندھے ____ اور اگر یہ حماقت کسی سے عالمِ دیوانگی میں سرزد ہو بھی جائے تو سیکڑوں برس کی تمام اُمتِ مسلمہ اتنی پاگل کیسے ہو سکتی ہے کہ ایسے احمق دیوانے کو اپنا سرتاج مان کر اس کی کتاب کو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کا درجہ دیدے۔ ظاہر ہے اس عنوان کے بعد کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی کہ "مباشرت" کا مطلب "وطی" لیا جائے۔ اور اسی لئے شروع سے آج تک کسی معروف و مستند عالم نے اس طرح کا شبہ نہیں کیا۔

آگے حدیث پر نظر کیجئے۔ اگر مباشرت کا مطلب یہ ہوتا کہ حضورؐ حالتِ صوم میں بیویوں کے ساتھ وطی بھی فرما لیتے تھے تو بوسہ لینے کی بات حضرت عائشہؓ کیوں فرماتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر وطی ہی تک نوبت پہنچ گئی تو بوس و کنار کس شمار میں رہ جاتا ہے۔ پھر یہ کہ ان الفاظ کا کیا مطلب، بھی مہمل ہو جاتا ہے اگر مباشرت کا مفہوم وطی ہے۔ یہ جملہ اسی لئے تو کہا گیا تھا کہ حضورؐ باوجود بوسہ لینے اور جسم کا لمس کرنے کے نفس پر اس قدر قادر تھے کہ شہوانی جذبہ نہیں ابھرتا تھا لیکن تم سب اتنے ضابط اور قادر علی النفس نہیں ہو لہٰذا بہتر ہے کہ بوس و کنار وغیرہ سے پرہیز کرو۔ اب جو شخص "مباشرت" کے معنیٰ یہاں وطی لینے پر تُلا ہوا ہے وہ بتائے کہ وطی کے بعد کونسا درجہ رہ جاتا ہے جس کیلئے قدرت علی النفس اور حوائج پر کنٹرول کا سبق آموز تذکرہ کرنا حضرت عائشہؓ نے ضروری سمجھا۔ یعنی حضورؐ نے اگر وطی ہی کی ہوتی تو اس جملے کا صدور ہی ممکن نہ تھا۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو یا تو سخت قسم کے جہل کی رو میں یا پھر سوچی سمجھی عداوتِ حدیث کے تحت ام المومنین حضرت عائشہؓ اور سرورِ کونینؐ کی آبرو تک سے کھیلنے میں دریغ نہیں کرتے۔

ایسے موقع پر یہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ اچھا مان لیا مطلب وہ نہیں ہے جو ظاہری لفظ سے سمجھ میں آرہا ہے لیکن ایسی ظاہر فریب اور وحشت ناک روایت کو محفوظ کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی تو جواب یہ ہے کہ فاسد ذہنوں کی وحشت و فریب خوردگی کا لحاظ کیا جاتا تو آج اُمت اُن تمام صنفی و جنسی مسائل کی شرعی حیثیت سے بے خبر ہوتی جنھیں اہلِ علم و اجتہاد نے اسی طرح کی روایات سے اخذ کیا ہے۔

روزے میں کیا کس حد تک جائز ہے اور کیا کس حد تک حرام۔ اس کی ٹھیک ٹھیک واقفیت کے لئے کیا اس کے سوا بھی کوئی چارہ تھا کہ رسول اللہؐ کے قول و فعل کا پتا چلایا جاتا اور جو روایات بھی نقد کی کسوٹی پر کھری اُترتیں انھیں محفوظ کر کے استنباط و استخراج کی راہ اہلِ نظر کے لئے کھولی جاتی قرآن تبیان لکل شئی کے باوجود ان اُمور میں مجمل ہے جن کا اُمت تک پہنچانا حضورؐ ہی کے قول و فعل کے ذریعہ شریعت کو مقصود تھا اگر روایت یہ نہ بتاتی کہ حضورؐ حالتِ صوم میں بیویوں کے ساتھ بے تکلفانہ رہن سہن سے پرہیز نہیں کرتے تھے تو کس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ روزے میں بوسہ لینا اور بیوی سے بے تکلفی برتنا جائز ہے بشرطیکہ صائم اپنے نفس اور حاجت پر اس حد تک قادر ہو کہ اس طرح کے طرزِ عمل سے شہوانی مدہوشی کا شکار نہ ہو جائے۔ اسی شرط کی

طرف حضرت عائشہؓ کا اشارہ ہے۔

"مباشرت" عموماً وطی ہی کے لئے بولا جاتا ہے لیکن کبھی اُس قسم کے بے تکلفانہ رہن سہن کے لئے بھی بولا جاتا ہے جو زن و شوہر کے درمیان مخصوص ہے اور جس میں وطی داخل نہیں ہے کوئی اگر یہ خیال کیسے کر جائے برق صاحب کا اعتراض تو ختم ہوا لیکن یہ نامحمود خیال تو ضرور ہی اس روایت سے پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ جیسا زاہد و متقی نبی روزے میں اس طرح کا طرزِ عمل بھی اختیار کر سکتا ہے!

تو گزارش یہ ہے کہ وہ شادی شدہ حضرات جنہیں اپنی بیویوں سے گہری محبت ہے اپنا ندرا نہ اپنا جائزہ لیں کہ کیا بوسہ یا جسم کا بے تکلفانہ لمس ہمیشہ شہوت ہی کے تحت ہوتا ہے؟ ہم سمجھتے ہیں — اور بالکل صحیح سمجھتے ہیں کہ محبوب بیوی کا بوسہ یا اس کے جسم کا لمس بسا اوقات اُس محبت اور پیار کے تحت بھی ہوتا ہے جس میں شہوت کا ہیجان شامل نہیں ہوتا۔ کسی غیر عورت کے بارے میں تو سمجھا جا سکتا ہے کہ اس کا بوسہ یا لمس مرد میں لازماً جذبۂ شہوت کو بھڑکا دے گا لیکن اُس بیوی کے لئے مرد اتنا ذکی الحس نہیں رہ جاتا جس کے جسم پر اسے ہر وقت آزادانہ دسترس حاصل ہے جس سے وہ برابر سیری حاصل کر رہا ہے اور جس کی صنفی کشش باعث اس کے لئے اپنی شدت ختم کر چکی ہے

رسول اللہؐ کو اپنی بیویوں سے محبت بہت تھی۔ خصوصاً حضرت عائشہؓ سے۔ ماہِ رمضان میں اگر آپ نے بوسہ لیا یا اور کوئی بے تکلفی برتی تو ہمیں یقین ہے — اور سیرتِ رسولؐ کی روشنی میں آپ کو بھی یقین کرنا چاہئے کہ اس طریق عمل کے پیچھے جنسی اشتعال کارفرما نہیں ہوگا' بلکہ اس کا محرک وہ پیار اور قلبی تعلق ہوگا جو شہوت رانی سے بالاتر ہوتا ہے اور جس میں کبھی دلداری اور کبھی اظہار شفقت و موانست مقصود ہوتا ہے۔ آخر ہر محبت تو شہوت ہی کی بنیاد پر نہیں ہوتی۔ بوسہ ایک بچے کا بھی لیا جاتا ہے اور جسم ایک بچی کا بھی ہاتھوں سے مس ہوتا ہے تو کیا اسے بھی جنسیت سے جوڑ دیا جائے گا۔ نہیں۔ یہ اُمور ہمیشہ ہی شہوت انگیز یا نتیجۂ شہوت نہیں ہوتے اور سورج کی طرح روشن ہے کہ جس تقبیل اور مباشرت کا ذکر زیرِ تذکرہ روایت میں ہے وہ جنسی لگاوٹوں سے بالاتر ہی ہوگی کہ رسول اللہ سے حالتِ صوم میں جنسی استلذاذ کی توقع ان کی سیرتِ مطہرہ اور شریعتِ مقدسہ کے بالکل منافی ہے۔

سوال :— از مختار احمد۔ کراچی۔

مولانا اصلاحی کے تازہ فرمودات

اگست کے "میثاق" میں "حکمتِ عملی" والی بحث کے سلسلہ میں مولانا امین احسن نے جو کچھ لکھا ہے کیا وہ آپ نے دیکھا؟ — اگر دیکھا ہوگا تو اس شمارے کا شذرہ بھی ضرور دیکھا ہوگا جو رسالہ کے بالکل آخر میں ہے۔ اس میں نام لئے بغیر جو تعریض آپ پر ہے وہ یقیناً قابلِ توجہ ہے۔ مسلسل وہ اور کی "غیبت" پر مولانا نے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی محتاجِ نقد ہے۔ کیا اس کا بر اہم کو انجام دیں گے؟

جواب :—

جی ہاں۔ میں "میثاق" برابر پڑھ رہا ہوں۔ اگست کا پرچہ شروع ہی حکمتِ عملی والی بحث سے ہوتا ہے۔ غنیمت ہے کہ اس بار مولانا اصلاحی کی آتشِ غضب کچھ ہلکی پڑ گئی ہے۔ پھر بھی وہ زبان و بیان کے اُس اونچے مقامِ علم و ثقاہت تک نہیں پہنچ پائے جس کی توقع کسی اونچے آدمی سے ہونی چاہئے۔ رنجیدہ بات یہ ہے کہ ان کے تقریباً ہی مضامین میں "انانیت" کی نمود پہلے بھی تھی اور اب بھی ہے۔ ایک سمجھدار آدمی کی حیثیت میں وہ انا ربکم الاعلیٰ کہنے کی غلطی تو نہیں کر سکتے مگر لفظ و بیان کے چلمن سے یہ "انا" برابر جلوہ دکھاتی رہتی ہے۔ انگلی رکھ کر ہی بتانا ضروری ہو تو اس عبارت کو پڑھ لیجئے۔

> "میں چاہوں تو اس کی متعدد مثالیں محض حافظے کی مدد سے یہاں پیش کر سکتا ہوں لیکن طوالت بیان سے بچنے کے خیال سے صرف ایک مثال پر قناعت کرتا ہوں۔"

اپنے علم اور حافظے کی برتری کا جو احساس ان الفاظ میں دلایا گیا ہے وہ سطحی بین نظروں میں چاہے کوئی اہمیت نہ رکھتا ہو لیکن نگاہِ دُور بین اُس کیفیتِ نفسی کو پہلے ہی دیکھنے میں دیکھ لیتی ہے جس کا مظاہرہ ان الفاظ میں ہو رہا ہے۔ مقامِ بیان

والے مضمون میں بھی انھوں نے روایاتِ حدیث کی مستدل صرف ایک آیت پیش کرتے ہوئے اس طرح کی بات کہی تھی کہ گویا ایک آیت محض طوالت سے بچنے کے لئے پیش کی گئی ہے ورنہ میری نگاہ رسا کے آگے پورا قرآن کھلا پڑا ہے اور متعدد آیات جب چاہے برملا سامنے لا سکتا ہوں۔

ہمیں موصوف کے علم و حافظے کی برتری سے اختلاف نہیں ہے، لیکن وہ بلند حسنِ ظن جو ان سے ہمیں رہا ہے یہ محسوس کرکے برابر مجروح ہوتا چلا جا رہا ہے کہ اپنے اوصافِ جمیلہ اور علم و تبحر کی فنکارانہ نمود و نمائش وہ اپنے تقریباً سبھی تنقیدی مضامین میں ضرور کرتے ہیں اور خود پسندی و پندار کی جھلکیاں ان کے اسلوب و انداز میں لازماً جھلکتی ہیں۔ یہ ممکن ہے ایسا غیر شعوری اقتاد ہو لیکن شعوری و غیر شعوری کے چکر سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ہلکے پن کی حد ہے وہ مولانا مودودی کے تفقہ کو "غیبت خولیا" کا نام دیتے ہیں، حالانکہ جذباتیت نے اگر ان کے مذاقِ سلیم پر دھند طاری نہ کر دی ہوتی تو یہ احساس کرنا کچھ مشکل نہ تھا کہ یہ نکتہ سنجی تیسرے درجے کی ہے۔ متانت و ثقاہت کے درجہ اول و ثانی میں ایسی موشگافیاں عامیانہ فقرے بازی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں۔ پھر یہ کہنا:۔

"اگر یہ فی الواقع "غیبت خولیا" کی کوئی بیماری ہے تو اس کا علاج میرے پاس تو کیا، سچی بات یہ ہے کہ جالینوس کے پاس بھی نہیں تھا۔"

اور بھی تکلیف دہ ہے۔ جس طرح اونچے مزاج اور پھکڑپن میں فرق ہوتا ہے، جس طرح دو مناظرہ باز پہلوانوں اور دو سنجیدہ عالموں کا طرز و انداز مختلف ہوتا ہے، جس طرح بازاری لوگوں کی نوک جھونک اور متین حریفوں کی چشمک یکساں نہیں ہوتی اسی طرح عالموں کے اندازِ گفتگو اور عامیوں کے طرزِ کلام میں بھی فرق ہونا چاہئے۔ تعجب ہے مولانا اصلاحی اتنے پرانے قلم کار ہو کر بھی یہ محسوس نہ فرما سکے کہ اس طرح کی سستی باتیں کیا درجہ رکھتی ہیں۔ وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ خود پسندی اور احساسِ برتری نے وجدان و احساس کے آگے چادر تان دی ہے۔ اللھم حفظنا۔

جو نکات بسلسلۂ غیبت بیان فرمائے گئے ہیں اُن پر نقد کرنا ہمارے نزدیک اشتغال بالا یعنی کے حکم میں ہے۔ جب بال کی کھال ہی نکالنا مقصود بالذات بن جائے اور اصل نقطۂ بحث سوائے مفروضات کے کچھ بھی نہ ہو تو سوائے ضیاعِ وقت کے اور کیا نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے۔ ویسے نفسِ دلیل کی حد تک مولانا اصلاحی کتنے اونچے اُڑ رہے ہیں اس کا اندازہ کرانے کے لئے اُنکی ایک دلیل کا حال جو لائی کے تجلّی میں بیان کیا جا چکا ایک کی مختصر کیفیت یہاں دیکھ لیجئے۔ موصوف رقمطراز ہیں:۔

"صاحب ترجمان فرماتے ہیں کہ پیٹھ پیچھے کا مفہوم تو غیبت میں موجود ہی ہے۔ اب اگر کوئی شخص ادب سے گذارش کرے کہ جس طرح پیٹھ پیچھے کا مفہوم غیبت میں موجود ہے اسی طرح تحقیر و تذلیل کی نیت اور اخفا کی خواہش بھی اس کے مفہوم میں شامل ہے تو صاحب ترجمان اس کو ایک عبارت سے کیوں تعبیر فرماتے ہیں؟" (میثاق ص۳۵)

ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ لفظِ غیبت کی تو وضع ہی میں پیٹھ پیچھے کا مفہوم اس طرح شامل ہے کہ اس سے انکار ممکن ہی نہیں۔ اگر لغت اور وضع کی زبان میں کوئی اہمیت ہے تو یہ بات کسی بھی عربی داں سے پوشیدہ نہیں کہ لفظ غیبت اپنے مادۂ اصلیہ سے لیکر جملہ مشتقات تک پیٹھ پیچھے ہی کے مفہوم کا حامل رہتا ہے اور اس مفہوم کو اس لفظ سے وابستہ رکھنا کوئی اجتہادی یا قیاسی اضافہ نہیں ہے بلکہ لفظ کو اس کے صحیح اور معروف و معلوم معنی پر استعمال کرنا ہے۔ اس کے برخلاف تحقیر و تذلیل کی نیت اور خواہشِ اخفا وغیرہ نہ تو اس لفظ کی وضع میں شامل ہیں نہ لغت نے ان کا التزام کیا ہے۔ پھر کیسے یہ بات درست ہو سکتی ہے کہ ان چیزوں کو بھی اسی طرح غیبت کے ذاتی و وضعی مفہوم میں شامل کیا جائے جس طرح "پیٹھ پیچھے" کا مفہوم شامل ہے۔ "شمشیر" کہنے کے بعد اس صفت کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ وہ ایک دھار دار چیز ہوتی ہے۔ اسی طرح "غیبت" کہنے کے بعد اس تصریح کی ضرورت کبھی نہیں ہوتی کہ "پیٹھ پیچھے" کی برائی مراد ہے۔ یہ مراد تو اس لفظ کی وضع آپ سے آپ سامع کے دماغ میں اُتار دیتی ہے۔ لیکن دیگر تفصیلات

ضرور محتاج وضاحت رہتی ہیں، کیونکہ وہ اس کی وضع میں شامل نہیں ہیں۔ اس ضرورت کو مولانا اصلاحی نے محسوس بھی کیا ہے اور اسے پورا کرنے کے لئے ابن اثیر، امام نووی، ابن حجر اور امام راغب رحمۃ اللہ علیہم کی گواہیاں بھی لاتے ہیں۔ تعجب ہے کل تک کوئی شخص آپ کے سامنے اس طرح کے ائمہ و علماء کو متنازع فیہ مباحث میں اپنا گواہ بنا کر کھڑا کرتا تھا تو خاصے استکبار اور تندی کے ساتھ آپ کہا کرتے تھے کہ قرآن و حدیث کی بات کرو، شخصیت پرستی سے کام نہیں چلے گا۔ آج آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ تعریف کو غیر منطقی اور نامکمل قرار دے کر اپنی ایک ترمیم و اضافہ کردہ تعریف بیان کرتے ہیں تو حجت پکڑتے ہیں انھی شخصیات و افراد سے!

خیر۔ آپ کہتے ہیں کہ ابن الاثیر نے غیبت کی تعریف میں فی غیبتہ کا اضافہ فرمایا ہے۔ حالانکہ یہ الفاظ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں موجود نہیں ہے۔ یا للعجب۔ اس کا نام اگر اضافہ ہے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص "گمراہ" کی تعریف یہ کرے کہ جس نے راہِ حق یا صراطِ مستقیم کو کھو دیا ہو تو آپ فرمانے لگیں کہ اس نے اصل تعریف میں "حق" یا "مستقیم" کا اضافہ کر دیا — نہیں بلکہ یہ اس سے بھی زیادہ مضحکہ خیز ہے۔ کیونکہ "گمراہ" میں بہرحال "حق" یا "مستقیم" کا لفظ موجود نہیں، مگر فی غیبتہ میں تو پورا کا پورا لفظ غیبت ہی موجود ہے۔

ابن الاثیر کی دوسری شرط وان کان فیہ بھی اضافہ نہیں ہے۔ ہاں "و" اس میں ضرور غلط ہے۔ اضافہ تو اس لئے نہیں کہ اگر وہ برائی اس شخص میں نہ ہو جسے پیٹھ پیچھے بیان کیا جا رہا ہے تو یہ بہتان طرازی اور افترا پردازی ہوگی جیسا کہ حضور ہی نے اپنی بیان فرمودہ تعریف کے ہر شق میں واضح فرما دیا اور جیسا کہ علم و عقل کا صریح اقتضاء ہے۔ اس طرح معین ہو گیا کہ غیبت اسی برائی کے غائبانہ تذکرہ کو کہا جا سکتا ہے جو واقعتہً ایک شخص میں موجود ہو۔ اب اس شرطِ لازم کو "اضافہ" کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔

"و" اس لئے غلط ہے کہ "اگرچہ" کا کوئی موقع نہیں۔ "اگرچہ وہ برائی اس میں ہو" کہنے کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ وہ برائی اگر اس میں نہ ہو تب تو بدرجۂ اولیٰ "غیبت" کا اطلاق ہوگا حالانکہ واضح ہو چکا — اور مولانا اصلاحی بھی اس سے متفق ہیں کہ من گھڑت برائیوں کے تذکرے کو غیبت نہیں بہتان طرازی کہتے ہیں۔ ان کان فیہ کافی تھا، جیسا کہ ابن حجر نے بما فیہ کہا ہے اور اس کا نام اضافہ نہیں ہے تفسیر و توضیح ہے۔

امام نووی کی گواہی بھی آپ کے موقف کے لئے اسی طرح بے محل اور غیر مفید ہے۔ انھوں نے اگر یہ کہا کہ:-

"غیبت کے غیبت ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی
برائی کا ذکر لفظوں ہی میں ہو، بلکہ اشاروں اور کنایوں میں
جو برائی ذکر میں آتی ہے وہ بھی غیبت ہی کے حکم میں ہے۔"

تو اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ یہ وضاحت اُس "اضافے" جیسی ہے جس پر مولانا مودودی معترض ہیں۔ حضرت والا نے تنقید میں اتنی سطحیت تو نہ اختیار فرمائیے جس پر ایک ہم جیسا عامی بھی ہنس دے۔ کھلی بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ تعریف غیبت میں برائی کے تذکرے کو علی الاطلاق ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

"تو کسی شخص کا ذکر اس طرح کرے کہ اگر وہ سنے تو اسے
برا معلوم ہو"

عقل و نقل کے ہر معروف قاعدے کے مطابق اس اطلاق میں ذکر باللفظ اور ذکر بالاشارۃ والرمز آپ سے آپ آ گیا۔ اگر امام نووی اسی مفہوم لازم کو تشریحی الفاظ میں بیان کر دیتے ہیں تو کیا اجمال کی تفصیل اور الفاظ کی لغوی و اصطلاحی تفسیر و تعبیر کو بھی آپ "اضافہ" کہیں گے؟ — اگر نہیں کہیں گے — اور یقیناً نہیں کہنا چاہئے تو ایک ایسے محل میں اس استشہاد کی کیا ضرورت تھی جہاں آپ مولانا مودودی کے بالمقابل یہ ثابت فرمانا چاہ رہے ہیں کہ رسول اللہؐ کی تعریف منطقی و فنی حیثیت سے جامع مانع نہیں تھی بعد کے لوگوں نے اس کی نوک پلک درست کی ہے۔

حاکم نے حکم دیا کہ زید کا دیوبند میں داخلہ ممنوع ہے۔ عمرو اس حکم کے ذیل میں کہتا ہے کہ زید چاہے تانگے پر سوار ہو کر دیوبند میں داخل ہو یا کار میں یا پیدل بہرحال مجرم ٹھیرے گا — اب کیا کوئی ہوشمند کہہ سکتا ہے کہ یہ تفصیل خود حکمِ حاکم کے معنوی

پڑھنا چاہئے میں شامل نہیں تھی عمداً کی اضافہ کردہ ہے؟ ظاہر ہے اس کا نام اضافہ نہیں تبیین و تشریح ہے اسے "اضافے" کی بحث میں لانا ذہانت نہیں ذہنی غفلت کہنا چاہئے۔

خیر ہم زیادہ تفصیل میں نہیں جاتے مقصود صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ مولانا اصلاحی چاہے اپنے ارشاداتِ عالیہ کو کتنا ہی بلند پایہ اور ایمان افروز سمجھ رہے ہوں لیکن اُن لوگوں کو اُن کے ارشادات کے لب و لہجے، درشتی اور ضعیف البنیانی سے بڑا دُکھ پہنچا ہے جو مولانا موصوف سے اُونچی امیدیں لئے بیٹھے تھے۔ معیاری علماء بھی اگر ٹھٹھے اور ٹھٹھول پر اُتر آئیں تو علم و متانت کی آبرو کا خدا حافظ ہے!

اُس مختصر شذرے کو پڑھئے جو اسی شمارے میں اسی نزاع سے متعلق لکھا گیا ہے۔ اللہ اکبر۔ فرماتے ہیں:۔

"بہت سے مخلصین نے اپنے خطوط میں اس خواہش کا
اظہار کیا ہے کہ بھارت اور پاکستان کے بعض رسائل نے
اس وقت میری ذات کو جو اپنے سب و شتم کا نشانہ بنا لیا
ہے میں ان کا کوئی نوٹس نہ لوں۔"

کہاں ہیں وہ مخلصین کس مٹی کے بنے ہوئے ہوں گے جنھوں نے اُس سب و شتم کو تو اِس کان سُن کے اُس کان اُڑا دیا جس کی ابتدا آنجناب نے مولانا مودودی کے رد میں نہایت خشونت بھرے اور بے جگری سے کی تھی اور "مقامِ رسالت" والے مضمون میں ان کی ترشی کو از خود رفتگی و سخت کلامی، اشتعال انگیزی اور دریدہ قلمی کی کوئی عفونت محسوس نہیں ہوئی، لیکن جب بعض لوگوں نے بھی اس ظلمِ بے محابا کا نوٹس لیا اور نسبتاً کم سخت لہجے میں چند گزارشات کیں تو یہ طرفہ تماشا مخلصین آپ کو خط لکھنے بیٹھ گئے اور ساتھ ہی آپ کی اس فلک مآب برتری کا بھی احساس دلایا کہ بھلا ان گھٹیا لوگوں سے منہ لگنا آپ کی شایانِ شان کہاں۔ یہ لکھ دینا کچھ مشکل نہیں کہ:۔

"میں ان لوگوں کی چیزیں بہت ہی کم پڑھتا ہوں جو بقول
چراغ حسن حسرت مرحوم کے "لکھتے زیادہ اور پڑھتے کم"
ہوتے ہیں۔"

جب آپ ذکر و تفکر کی ایک ہی قلابازی میں مولانا مودودی کو یہود و نصاریٰ کی سطح پر لا سکتے ہیں اور اپنی تمام چھپی ہوئی ثنا کو بھلا کر ان کے علم و تفقہ کا مضحکہ اُڑا سکتے ہیں تو اور کون مائی کا لال ہے جسے ناقابلِ التفات اور منہ لگانے کے ناقابل قرار دینے میں آپ کو تکلف ہوگا۔ لیکن یقین کیجئے ہند و پاک کے سب پڑھے لکھے آپ کو بس اسی زاویۂ نظر سے نہیں دیکھتے جس سے خود آپ اپنے آپ کو دیکھ رہے ہیں۔ آپ کی عظمت و شہرت مسلّم۔ لیکن اتنی بھی نہیں کہ آپ کی بات کے مقابلے میں کسی کی بات کا کوئی وزن ہی نہ ہو۔

آپ نے اور لوگوں کے ساتھ ساتھ راقم الحروف کو بھی طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ کوئی حرج نہیں۔ یہ عاجز تو اتنا چھوٹا اور کم حیثیت ہے کہ آپ جیسے بڑے آدمی کا طنز اس کی تحقیر کا نہیں بلکہ شاید عزت افزائی ہی کا باعث ہے لیکن خود آنجناب اتنے بڑے ہیں کہ مجھ جیسے ہیچ میرز پر آپ کا طنز خود آپ ہی کے کسرِ شان سمجھا جا سکتا ہے۔ بھلا کون جانتا تھا کہ حسبِ وقت ہے اقبال کا شعر:۔

یہ مصرعہ لکھ دیا کس شوخ نے محرابِ منبر پر
یہ ناداں گر گئے سجدے میں جب وقتِ قیام آیا

لکھا ہے اُس وقت مشیتِ ایزدی پاکستان کے سیاسی و ملکی حالات کو ایک عظیم تغیر کے سپرد کرنے والی ہے۔ میرا قصور صرف یہ رہا کہ میں عالم الغیب نہیں تھا اور ظاہری موجود حالات کی روشنی میں ایک بات کہہ گیا تھا۔ اب تغیرِ احوال کے بعد ہنسی اُڑانے والے انداز میں آپ کا یہ فرمانا:۔

"اب اتنی دور سے ان سے (ابھی مزید تحقیق ہے) کون پوچھے
کہ حضرت آپ نے تو قیام کا مشورہ دیا تھا لیکن
اب جماعت وقت کے ذکر کے آگے اوندھے منہ
گری ہوئی جو پڑی ہے تو اُس کو اٹھائے گا کون؟"

کسی طرح بھی ٹھٹھول سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ پاکستانی جماعت اسلامی کی اس حالتِ سکوت و خموشی کو جو انقلاب کے بعد اس پر طاری ہے آپ بار بار منہ چڑانے اور مضحکہ اُڑانے کے انداز میں بد سے بدتر تعبیریں عطا فرماتے ہیں۔ یہ قضیہ قصہ

ہو قع پرستی اور تنگدلی نہیں تو اور کیا ہے۔ ہمیں بتلائیے جس قرآن میں وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ ہے کیا اس میں کہیں یہ بھی ہے کہ حالات کا تقاضا چاہے کچھ ہو، بصیرت و تدبر خواہ کچھ کہتے رہیں، لیکن تم حال و مستقبل کی پروا کئے بغیر آنکھیں بند کرکے ایک ہی راہ پر چلتے رہو۔ کون نہیں جانتا کہ پاکستان میں جو حکومت برسرِ اقتدار آئی ہے وہ لفظاً آمریت ہونے کے باوجود بھی نام نہاد جمہوری حکومتوں سے متعدد اخلاقی و انسانی پہلوؤں میں بہتر اور احسن ہے۔ اس نے مصالح کے پیشِ نظر عام سیاسی جماعتوں کو توڑ دیا تو کیا آنجناب یہ چاہتے تھے کہ جماعت اسلامی پاکستان اس اقدام کے خلاف تلواریں لے کے نکل کھڑی ہوتی ہنگامہ پھیلاتی، خون کی ہولی کھیلتی، بھوک ہڑتال کرتی — اور اس نے ایسا نہیں کیا، تو یہ گویا آمرِ وقت کے آگے اوندھے منھ گر پڑنا ہے! "آمرِ وقت" اور "اوندھے منھ گرنے" کا استعمال شاید ہی اتنا غلط اور بے محل کسی نے کیا ہو۔ آپکو غالباً معلوم نہ ہوگا کہ جماعت اسلامی پاکستان ہی کے بعض دردمندوں نے جماعت ٹوٹ جانے کے بعد خدمتِ خلق کا ادارہ کھولا تھا۔ اسے بھی حکومت نے توڑ دیا۔ کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ افرادِ جماعت کے جذبۂ خدمت پر بالکل ہی موت طاری نہیں ہوگئی۔ لیکن نوبت جب عداوت و مخالفت پر آجائے تو کسی بھی شخص یا جماعت کی ہر جنبش و حرکت کو بُرے سے بُرے لفظوں میں تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ وہی رفتار جو کل تک آپ کو "خرامِ ناز" نظر آرہی تھی آج یقیناً "لنگڑے کی چال" نظر آنی چاہئے کہ نظر کا زاویہ بدل گیا ہے۔ ہم انتظار کر رہے ہیں کہ دیکھیں جماعت اسلامی پاکستان کے اوندھے منھ گر جانے کے بعد آنجناب آمرِ وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کن ارجمندیوں اور اولوالعزمیوں کا ثبوت پیش فرماتے ہیں۔ منھ چڑانا آسان ہے لیکن کچھ کرکے دکھانا مشکل نہیں ہمیں بیحد خوشی ہوگی اگر آنجناب قلمی کروفر سے گذر کر عملی پیش رفتیوں کے ذریعہ پاکستان کو "حکومتِ الٰہیہ" کی اُس منزلِ مقصود تک لے جائیں گے جسکی راہ میں جماعت اسلامی پیر توڑ کے بیٹھ رہی ہے۔ ہم جماعت اسلامی کو قطعاً بھول جائیں گے اگر جنابِ آمرِ وقت کی کلائی موڑ کر اسلام کے سر پر تاجِ عظمت و اقتدار رکھدیا۔ ہمارا منتہائے نظر منزل و مقصد ہے نہ کہ ذوات و اشخاص۔

لیکن یقین کیجئے یہ کام اتنا آسان نہیں ہے کہ مضمون نگاری سے انجام پا جائے۔ دنیا کا کوئی بہتر سے بہتر اصول و نظریہ اہلِ اشخاص کا سہارا لئے بغیر کوئی کارفرمائی نہیں کیا کرتا۔ آپ خود کو بہت وسیع المطالعہ عالم تو ثابت کرتے آتے ہیں لیکن یہ ثابت کرنا ابھی باقی ہے کہ اسلامی انقلاب اور اقامتِ دین کی گاڑی بھی آپ سے چلے گی۔ اگر چل جائے تو زہے قسمت۔ نہ چلے تو رونے والوں میں ہمیں بھی گن لیجئے گا، بشرطیکہ زندہ رہے۔

گذشتہ چند عشروں میں اس ناچیز کے پاس کافی تعداد میں ایسے خطوط آتے رہے ہیں جن میں اصرار کیا گیا ہے کہ جولائی میں جو مختصر نقد تو نے مولانا اصلاحی کے مضمون پر کیا ہے وہ کافی نہیں، بلکہ مفصل تنقید کی ضرورت ہے اور ناظرین تجلی منتظر ہیں کہ تیرا قلم کب یہ فریضہ انجام دیتا ہے۔

فدوی جواب عرض کرتا ہے کہ مولانا اصلاحی کے نام نہاد مضمون میں بہمہ طوالت اگر کوئی چیز سنجیدہ توجہ کے لائق تھی تو وہ اس کے دو جز تھے۔ ایک وہ جس میں انھوں نے محدثین کی تنقیدِ رواۃ کے سلسلے میں آیتِ قرآنی اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ الآیۃ پیش کی تھی اور دوسرا وہ جس میں الائمۃ من قریش کے باب میں کلام تھا۔ اول الذکر پر ہم (تجلی جولائی ۵۹ء میں) ترجمان القرآن سے نقل کردہ مضمون کے اختتامی نوٹ میں اپنا استدراک پیش کر چکے۔ یہ ٹھیک ہے کہ نقدِ مفصل کا ارادہ نہ ہونے کے باعث یہ استدراک مختصر ہی تھا۔ لیکن ایسا مبہم اور مجمل بھی نہیں تھا کہ ہمارے اعتراضات و اشتباہات کو سمجھا نہ جا سکے۔ مولانا اصلاحی تو خیر ذہین اور باعلم آدمی ہیں۔ عام ناظرین تک نے ہماری معروضات کو خاصی حد تک سمجھ لیا ہے اور خطوط میں اس کا اظہار کیا ہے۔ اب اگر استغناء اور تعلّی کا حریری نقاب ڈال کر اسے ناقابلِ التفات نہ قرار دیا جائے تو مولانا اصلاحی کا فرض ہے کہ ہمارے شبہات کا عالمانہ اندفاع کریں۔ ہمارا پہلے بھی دعویٰ تھا اور اب بھی دعویٰ ہے کہ اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ الآیہ

والی آیت کو انھوں نے بے محل استعمال کیا ہے اور جو نکات اس سے اخذ کرنے کی سعی فرمائی ہے ان کی حیثیت تفسیر بالرائے سے زیادہ نہیں ہے۔

دوسرے جز پر خود مولانا مودودی بہت کچھ لکھ چکے ہیں اور تازہ ترجمان القرآن (بابت جولائی ۱۹۵۷ء) میں "رسائل و مسائل" کے تحت تو انھوں نے صراحت کی آخری حد تک اس بحث کو فیصلہ کن مرحلہ میں پہنچا دیا ہے۔ نہ صرف اس جز پر بلکہ "حکمت عملی" والے بنیادی پہلو پر بھی ایسی روشنی ڈالدی ہے کہ ان کا موقف اور ان کا ضمیر بلا کسی ابہام و اجمال کے کھل کر سامنے آگیا ہے۔ اب بھی اگر کوئی اس کی ضرورت سمجھتا ہے کہ مزید تصریح و تنقیح کی جائے اور معترضین کے اعتراضات کو تنقید کی کسوٹی پر کسا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ضرورت کبھی پوری نہ ہوگی۔ جو لوگ اعتراض و بدظنی ہی کو حرز جاں بنالیں انھیں نقد و نظر کے دفتر کے دفتر بھی آسودہ نہیں کر سکتے۔

ہم کہہ چکے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ "حکمت عملی" کی بحث میں مولانا مودودی کے موقف اور مسلک کی مثال اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء کی سی ہے۔ نیتوں تک ہماری پہنچ نہیں لیکن جہاں تک علم و منطق اور اصول و استدلال کا تعلق ہے جو کچھ بھی اس بحث میں آج تک مولانا موصوف لکھتے آئے ہیں وہ محکم بھی ہے اور تسلی بخش بھی۔ اس کے برخلاف معترضین نے جتنا کچھ لکھا ہے اس میں لب و لہجے اور اسلوب کے گھناؤنے پن کے علاوہ دلیل و برہان کا پہلو بھی نامحکم اور غیر تسلی بخش ہے۔ بعض لوگوں نے اگر لب و لہجہ درست رکھا تو ساتھ ہی یہ بھی اپنے انداز کلام سے واضح کر دیا کہ ان کی ساری سوچ بدگمانی اور مراقبانہ ذکاوت حس کے محور پر ہی گردش کر رہی ہے۔

بہرحال معترضین کے پچھلے مضامین پر ہم اب کچھ کلام کرنا نہیں چاہتے۔ ہاں آگے کو جو کچھ لکھا جائے گا (جیسا کہ مولانا اصلاحی اپنے پرچے میں ارادہ ظاہر فرما رہے ہیں) اس پر ضرور اپنی ناچیز رائے پیش کرتے رہیں گے۔ ہمیں نہ کبھی پہلے یہ خوش فہمی تھی نہ اب ہے کہ ہم مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی جیسے عالی مرتبہ حضرات کے نزاع میں کسی فیصلے کے اہل ہیں، لیکن اسے کیا کہیے کہ مولانا اصلاحی کو مشیت نے غصہ زیادہ دیا ہے اور غصہ کے ہیجان میں وہ اپنے مقام سے بہت نیچے آکر ایسی سستی اور ہلکی باتیں کرنے لگ گئے ہیں کہ ہم جیسا ہیچ میرز بھی ان کے منہ آسکتا ہے۔ انھیں ہم نہایت عجز و ادب کے ساتھ شاہ ظفر کے اس شعر پر توجہ دلائیں گے:۔

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا چاہے کتنا ہی ہو صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

چراغ راہ کا اسلامی قانون نمبر

یہ معرکۃ الآرا نمبر ختم ہو گیا تھا اور تمام فرمائشیں پوری نہ کی جا سکی تھیں۔ اب پھر نہایت کوشش سے کچھ نسخے مہیا کئے ہیں شائقین فائدہ اٹھائیں۔ مکمل ہر دو جلد آٹھ روپے۔

(کوئی جلد الگ نہیں ملے گی)

عظیم تاریخ اسلام

از اکبر شاہ نجیب آبادی تین ضخیم جلدوں میں مکمل یہ مشہور زمانہ تاریخ تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ پاکستان میں عمدہ کاغذ اور روشن طباعت و کتابت کیساتھ چھپی ہے۔ ہم نے بمشکل چند سیٹ حاصل کئے ہیں۔ قیمت فی سیٹ مکمل مجلد چھتیس روپے

حیات وحید الزماں

احادیث کے نامور مترجم علامہ وحید الزماں کے علمی و عملی کارناموں کا مفصل تذکرہ۔ جیسا کہ اہل علم کے تذکروں میں ہوتا ہے ضمناً بہت کچھ قیمتی معلومات بھی ہم رشتہ ہیں۔ اہل ذوق کے لئے کافی دلچسپ چیز ہے۔ قیمت چار روپے۔

شاہنامۂ اسلام جدید

مدیر "تجلی" مولانا عامر عثمانی کی نثر تو آپ دیکھتے ہی ہیں۔ نظم بھی دیکھئے انشاء اللہ وجد انگیز اور معیاری ہی محسوس فرمائیں گے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر قیام خلافت کا مرحلہ کس طرح پیش آیا۔ اس کی تفصیل میں مولانا موصوف نے شاعرانہ حسن کے ساتھ اپنے استدلالی ذوق کو بھی ہمرکاب رکھا ہے۔ مجلد تین روپے۔

تجلّی کے "خلافت نمبر"

ناظرین کو یاد ہوگا ماہنامہ "فاران" کراچی نے "خلافت نمبر" کا اعلان کیا تھا لیکن بعض وجوہ کی بنا پر اسکی اشاعت ملتوی کرنی پڑی۔ اس پر ہم نے ارادہ کیا کہ ہم ہی اس کام کو انجام دے ڈالیں۔ مگر ہم بھی مشیّت کے آگے لاچار ہی رہے۔ ظاہری سبب کاغذ کی گرانی ہے۔ کوٹے میں نپا تلا کاغذ ملتا ہے۔ جبکہ "خلافت نمبر" کے لئے سیکڑوں زائد رم درکار تھے۔ بلیک مارکیٹ کی چڑھی ہوئی شرح سے خریدنا اپنے بس کا نہیں۔

اب تجویز یہ کیا ہے کہ نمبر کو چند قسطوں میں تقسیم کر دیں۔ اس کی صورت یوں بنے گی کہ ایک ماہ کا پرچہ ناغہ کر کے اگلے ماہ دو ماہ کا مشترکہ پرچہ بطور نمبر نکال دیا جائے اور کچھ وقفے بعد پھر یہی عمل کیا جائے۔ اس طرح چند قسطوں میں پورا مواد سامنے لایا جا سکے گا۔ لہذا ناظرین مطلع ہوں کہ اگلا اکتوبر کا تجلّی شائع نہیں ہوگا بلکہ اکتوبر و نومبر کا مشترکہ شمارہ یکم نومبر ۵۹ء کو بطور

خلافت نمبر شائع ہوگا

اس میں ایڈیٹر تجلّی کا وہ بسیط و مفصل مضمون (حضرت عثمانؓ) بھی شائع ہوگا جس کا تذکرہ انھی کے ایک مضمون میں پڑھ کر سیکڑوں قارئین اس کی اشاعت کا اصرار کئے جا رہے ہیں اور جس کے متعلق ایڈیٹر "فاران" جناب ماہر القادری نے ایڈیٹر تجلّی کو تحریر فرمایا تھا کہ

"تمام ہی وصول شدہ مضامین میں آپ کا مقالہ میرے نزدیک سب سے بہتر اور میری خواہش و توقع کے عین مطابق ہے۔ جزاک اللہ۔"

ایجنٹ حضرات

اپنی مطلوبہ تعداد سے مطلع فرمائیں۔ وہ جانتے ہیں کہ تجلّی کے خاص نمبر ضخیم نہ ہونے کے باوجود مقبولیت اور مضامین کی کشش میں کتنے ممتاز ہوتے ہیں۔ اس نمبر کی عام قیمت ایک روپیہ ہوگی۔ اپنی کاپیاں ابھی سے مخصوص کرا لیجئے۔ ورنہ جیسا کہ متعدد بار ہو چکا ہے بعد کے آرڈر پورے ہونے ضروری نہیں ہوتے۔

ناظرین بتائیں

کیا مُلّا ابن العرب مکّی صاحب کی شمولیت اس نمبر میں بھی ضروری ہے؟ ایڈیٹر تجلّی تو "ڈاک نمبر" ہی میں انھیں فارغ چھوڑ رہے تھے۔ مگر صدہا قارئین نے خطوط میں اصرار کیا کہ مُلّا ضرور رہیں! تعجب ہے یہ لغو نگار شخص اتنا مقبول کیوں ہے۔ ہم بہرحال آپ کے مشوروں کا احترام کریں گے۔

منیجر تجلّی دیوبند

سلیمہ کے چہرے پر خجالت کی ہلکی سی پرچھائیں لرزنے لگی۔ وہ بلا کی ذہین تھی۔ بیگم شاید کچھ بھی نہ سمجھ سکیں — "ہائے اللہ آپ تو پہیلیاں بوجھنے لگے — اور سلو تجھے کیا ہوا۔ منہ کیا بنایا ہے۔۔۔"

"۔۔۔ جی۔۔۔ کچھ نہیں" وہ بولی۔ انداز ایسا تھا جیسے نیند میں بڑبڑائی ہو۔ میں نے بہت نرمی سے اسے مخاطب کیا۔

"دیکھو سلیمہ — اب تم سلو نہیں رہیں — یہ آئینہ اب مجھے نہیں تمھیں دیکھنا چاہئے — بلکہ کبھی کبھار میرے والا بڑا آئینہ دیکھو — سُن رہی ہو؟"

"جی۔۔۔ جی سُن رہی۔۔۔ کیا مطلب ہے؟"

"مطلب صاف ہے۔ میں تمھارا محرم تو کیا رشتہ دار بھی نہیں ہوں — مجھ سے اتنی بے تکلفی؟ اتنی یگانگت۔۔۔۔"

"ارے وا" بیگم بول پڑیں۔ "یہ آج آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں — کیا ایڈیٹر صاحب نے بھرا ہے؟"

"نہیں بیگم۔ بھرا کسی نے نہیں ہے۔ یہ اندر کی آواز ہے — نہیں سمجھیں؟"

"خاک سمجھوں گی — کچھ کہئے بھی۔"

"ہاں دولھا بھائی۔ صاف ہی کہئے۔۔۔ میں کچھ سمجھ نہیں پا رہی ہوں۔۔۔"

"غلط کہتی ہو — سمجھ نہیں پا رہیں تو یہ تمھارے چہرے کی سُرخی کیوں بڑھ گئی — یہ تنفس میں ناہمواری کیوں ہے؟ — سمجھ سب کچھ گئی ہو، مگر سمجھنے اور دل پر قابو پانے میں فرق ہے۔"

"ہا۔۔۔ دل کا کیا ذکر۔۔۔" بیگم تڑخیں۔ وہ حیرت سے کبھی میرے کبھی سلیمہ کے چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔ "دل" کے لفظ نے ان کے "بیوی پن" کو چونکا دیا تھا۔

"بات سب دل ہی کی ہے — چھوڑو سلیمہ سمجھ گئی ہے۔"

اب تو بیگم کا چہرہ تمتما اٹھا۔ حیرت سے ملی ہوئی بدگمانی کے آثار ان کے بشرے پر صاف نظر آ رہے تھے۔

"سلیمہ سمجھ گئی تو کیا ہوا میں تو نہیں سمجھی۔ صاف بتائیے نا یہ اُلٹی سیدھی اشارے بازیاں کیسی؟"

"ہائے اللہ کی لگائے۔ کھلی کتاب کو اشارہ کہتی ہو۔ اسکی طرف دیکھو کیا یہ اب بچی رہی ہے؟"

"نا۔۔۔۔ بڑی بوڑھی ہو گئی ہے۔"

"جھلاؤ مت۔ سولہ سال کی لڑکی بچی نہیں ہوتی — پھر اس کا تن و توش دیکھو۔۔۔ بھرا نہ ماننا سلیمہ۔۔۔"

سلیمہ نظریں جھکائے اس طرح بیٹھی تھی جیسے بے حس و حرکت مجسمے میں تبدیل ہو گئی ہو۔ شاید اس کے بدن میں خفیف سا رعشہ بھی تھا۔

"دیکھ رہی ہو — یہی وہ کیفیت ہے بیگم جس کا کوئی مول نہیں — اسی کا نام ہے سچی نسوانیت — لیکن اس کا بقا آجکل کے زمانے میں بہت مشکل ہے۔ بہت ہی مشکل۔"

"تو کیا اسے آپ سے بھی پردہ کرنا چاہئے؟" بیگم نے بطور اعتراض کہا۔

"کیوں نہیں کرنا چاہئے۔ میں بوڑھا نہیں ہوں — میں فرشتہ بھی نہیں ہوں — حالانکہ اس آگ میں تو میں نے کتنے ہی بوڑھوں کے بیچے اور "فرشتوں" کے پر بھی جلتے دیکھے ہیں۔۔۔ ۔۔۔ نہ نہ۔۔۔ پوری بات سن لو۔ ٹھیک ہے میں بیوی والا ہوں میرے بچے ہیں۔ میں آوارہ بھی نہیں ہوں۔ میں تمھیں چاہتا بھی ہوں — لیکن تم کیا جانو یہ سارے حقائق اُس ایک طوفانِ تیز و تند میں تنکوں کی طرح بہہ جاتے ہیں جسے کہتے ہیں نفس کی سرکشی! — یہ بدبخت بہت جلدی آگ پکڑتا ہے۔"

"بس رہنے دو۔ بیٹھے بٹھائے کہاں کی سوجھی۔۔۔"

"غلط نہیں سوجھی — میں نے دنیا دیکھی ہے۔ لڑکی جب حسین و جوان ہونے کے علاوہ چنچل بھی ہو تو میں نے ایسے ایسے خرمن اس کے شعلوں میں جلتے دیکھے ہیں جن کے متعلق سوچنا بھی مشکل تھا کہ ان میں جلنے کی صلاحیت باقی ہے — عمروں کا تفاوت کوئی چیز نہیں پٹرول کی ایک تتلی بھی بچ رہی ہے تو شعلہ ضرور بھڑکے گا —"

"بس دولھا بھائی" سلیمہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں سمجھ گئی۔۔۔ مجھے آج کئی باتیں یاد آ گئی ہیں۔۔۔"

اگلے لمحے وہ رخصت ہو چکی تھی۔

دوسرے دن بیگم نے بتایا کہ اس نے سلیمہ سے اُس کے آخری جملے کی تفصیل پوچھی تھی۔ اس پر اس نے چند ایسے لوگوں کے

کچھ حالات سنائے تھے جو بال بچوں والے تھے اور سلیمہ حسبِ عادت ان کے یہاں بے تکلفانہ آتی جاتی تھی۔ ان لوگوں کی بعض باتیں اور طرزِ عمل اس کے لئے کبھی کبھی حسرتناک ضرور ہوجاتا تھا لیکن اس کا معصوم اور ناپختہ ذہن انھیں کوئی خاص معنی نہیں پہنا سکا تھا ـــ مگر کل کی گفتگو نے اس کے ذہن کو چونکا دیا ہے۔ اس نے پورے وثوق سے اس طرزِ عمل اور ان باتوں کو ایک معنی پہنا دیئے ہیں اور اب وہ تہیہ کرچکی ہے کہ حتی الوسع ان کے یہاں نہیں جائے گی اور مجبوراً ہی کبھی جانا پڑا تو لئے دیئے رہے گی"

"وہ بہت روئی ہے" بیگم بولیں "پگلی کہیں کی مجھ سے لپٹ کے رہ گئی . . ."

"ونڈرفل . . . یقین جانو بیگم یہ بہت مبارک ہے۔ ان عورتوں کا ذکر نہیں جو گناہ کی آخری سرحد تک پہنچ گئی ہیں، میں ان لڑکیوں کو کہتا ہوں جو عمل اور نیت دونوں اعتبار سے پاکباز ہیں۔ ان میں بھی آج کل نسوانیت کی وہ بے بہا لطافت اور اثر پذیری بہت کم ملے گی جس سے عفت و عصمت کی بلند تر قدر و قیمت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ دیکھا تم نے صرف ہلکے سے اشارے سے ہی سلیمہ کا کیا رنگ ہوگیا تھا۔ اسی کا نام ہے سچی دوشیزگی اور نسوانیت ـــ چھوئی موئی کی طرح اسے ہلکے سے لمس ہی سے دہرا ہوجانا چاہئے!"

"اللہ . . . آج تو آپ شاعر اور فلسفی دونوں ہوگئے۔"

"زبان کو لگام دو۔ اس سے تو بہتر تھا اچھی کہہ لیا ہوتا . . . شاعر اور فلسفی اونھ!"

"تو کیا سلیمہ کو اب اسکول بھی نہیں جانا چاہئے؟"

"ٹھیک کہو ـــ ان اسکولوں میں فیس دے کر موت خریدی جاتی ہے ـــ موت عفت و پاکیزگی کی ـــ نسوانیت کی ـــ دل و نگاہ کی ـــ وہ ابھی تک بے شعور تھی اس لئے زہر کا اثر قبول نہ کرسکی۔ اب شعور کی گرہ کھل گئی ہے۔ اگر اب بھی اسکول جاتی رہی تو دو ہی نتیجے ہیں ـــ یا تو وہاں کی زہریلی فضا کے خلاف اعصابی جنگ کرتے کرتے صحت برباد کرلے گی یا پھر ہار مان کر اس نسوانیت کو بھینٹ چڑھا دے گی جو اتفاق سے اب تک بچ رہی ہے۔ اس دورِ مادہ پرستی میں کون سمجھے گا کہ پاکیزگی دل و نظر کا آبگینہ کتنا نازک ہوتا ہے ـــ وہ صرف مردوں ہی کے لمس سے نہیں ایسی لڑکیوں تک کے قرب سے میلا ہوجاتا ہے جن کی نسوانیت مرچکی ہے۔ ہوسکے تو سمجھاؤ کہ آٹھویں سے زیادہ پڑھ کے کیا کرے گی۔ توفیق ہو تو یہ میری الماری کی دس بیس کتابیں پڑھ لے علم اور جہل کا فرق معلوم ہوجائے گا۔ پھر شاید خود ہی اسکولی نصاب سے بیزار ہوجائے۔"

"سمجھاؤں گی . . . مگر سچی بات ہے کل تو میں ڈر ہی گئی تھی نہ جانے وہ آپ کے بارے میں کیا سوچے گی۔"

"کیا سوچ سکتی ہے ـــ زیادہ سے زیادہ یہی کہ دولہا بھائی منہ پھٹ ہے، بدلحاظ ہے . . . چھوڑو۔"

نعوذ باللہ۔ کہاں کی بات کہاں پہنچی۔ بتانا یہ تھا کہ استفسار والے کاغذات ایڈیٹر صاحب نے گھر ہی بھجوا دیئے تھے اور وہ دونوں انھی میں سے ایک پر قہقہے لگا رہی تھیں۔ مجھے بڑا برا معلوم ہوا کہ دیکھو ایڈیٹر تجلی ایسے استفسار میرے سر لادتے ہیں جن پر لونڈیاں تک ہنستی ہیں، مگر یہ سوچ کر قدرے مطمئن ہوا کہ گدھے کی حیثیت میں مجھے ہنسنے ہنسانے کی پروا نہیں کرنی چاہئے پیر گھرے بڑے رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ کے سہارے اب فتوے شروع کرتا ہوں ـــ چل مرے خامے بسم اللہ۔

جناب عبدالحمید قریشی حیدرآبادی مکہ مسجد کے خطیب مفتی سید محمود صاحب شیخ الجامعہ مدرسہ نظامیہ کی ایک تقریر کے کچھ اقتباسات نقل فرما کر ان کے بارے میں تبصرے کے طالب ہیں۔ یہ اقتباسات نمبروار دیئے گئے ہیں۔ میں بھی نمبروار ہی تبصرہ کروں گا۔ مگر اس کی ذمہ داری نہیں ہے کہ تبصرے اور تذکیے کا فرق بھی سمجھاؤں۔

(۱) سجدۂ تعظیم کے متعلق اپنے فتاویٰ میں جناب شاہ محمد عبدالعزیز صاحب دہلوی نے ایک بزرگ کا واقعہ تحریر کیا ہے کہ ان کے مریدین ان کے قدموں پر سر رکھتے تھے، ایک عالم صاحب نے اس پر بزرگ کو ٹوکا تو انھوں نے کہا کہ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ یہ اس طرح میرے قدموں پر سر نہ رکھیں، مگر میری آنکھوں نے میرے مرشد کے قدموں پر تمام مریدین کو سر

رکھتے ہوئے دیکھا ہے' اس لئے میں بزرگوں کے طریقہ کو جاری رکھنا باعث سعادت سمجھتا ہوں (اب خود اپنی رائے ظاہر کرنے لگے) اتنا لکھ کر شاہ صاحب بالکل گول ہو گئے۔ میری نظر میں قدموں میں سر رکھنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے کہ یہ تو محض اظہار تعظیم کے لئے کیا جاتا ہے۔ سجدہ تو جب ہو گا جب کہ قبروں پر سر رکھ کر سبحان ربی الاعلیٰ کہا جائے۔ بغیر تسبیح کے سجدہ کسی صورت سے نہیں ہو سکتا۔ اور کوئی بھی بزرگوں کے مزار پر ان کے قدم چومتا ہے یا سر رکھتا ہے تو کیا وہ سبحان ربی الاعلیٰ کہتا ہے؟

جوابؔ:۔ ناچیز کا تبصرہ یہ ہے کہ سید محمود صاحب کے منھ میں لڈو بھر دیئے جائیں۔ ایک ہندو دوست نے پہلے تو اس شہ پارے کا مطلب پوچھا۔ وہ بیٹھک میں آگئے تھے جب میں اس استغفار سے اپنی قسمت پھوڑ رہا تھا۔ پھر مطلب سمجھا دیا تو خوش ہو کے کہنے لگے

"بھگوان کی سوگند بات سچے کی ہے۔ ہم لوگ خود بتوں کو ایشور نہیں سمجھتے اور جب ان کے آگے ہاتھ جوڑتے یا ماتھا ٹیکتے ہیں تو نیت اسی ایشور کی بھگتی کی ہوتی ہے جس کا دھیان جمانے کے لئے ہم نے بطور نشان مورتیاں بنالی ہیں۔"

"بجا فرمایا" میں نے ٹھنڈا سانس لیکر کہا "روشنی کے اس زمانے میں سوائے ٹھیٹ جاہلوں اور دیہاتیوں کے کون ہوگا جو کسی پتھر کی مورتی یا آنکھوں سے نظر آنے والی کسی بھی چیز کو بجائے خود ایشور مانے گا۔ تاویل کا فن کہیں سے کہیں پہنچ چکا ہے۔"

"تو پھر آپ کے مولوی ملّا ہمیں کافر کیوں کہتے ہیں؟"

"جھک مارتے ہیں۔ میں ان سب کی طرف سے آپ کو موحدِ اعظم کا خطاب دیتا ہوں۔"

اگلے دن میں نے خواجہ اگر گل کے مزار شریف پر ایک صوفی صاحب کو حالت رکوع میں دیکھا۔ ہونٹ متحرک تھے۔ چہرے پر خشوع و خضوع کا سیلاب امنڈ رہا تھا۔ فارغ ہوئے تو پوچھا۔

"کیا مانگ لائے؟"

"کیا پوچھتے ہو سبھی کچھ مانگ لیا۔"

"اور مل گیا؟"

"نہ کیسے ملے گا۔۔۔۔ مگر۔۔۔ ارر۔۔۔ تم وہابی کیا سمجھو گے۔ چھوڑ دو۔"

"چھوڑ دیا۔۔۔"

اتنے میں درگاہ سلطانیہ کا جانا پہچانا مجاور سامنے سے آتا دکھائی دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ صوفی صاحب نے اسے آنکھ ماری ہے ہاتھ سے بھی کچھ اشارہ سا کیا تھا۔ وہ اس طرف آتا آتا کنّی کاٹ گیا۔ میں سر جھکائے اپنی بے بسی پر گریاں گھر لوٹا۔ اگلے روز اس مجاور سے جنگل بانس کے جزیرے میں ملاقات ہوئی' وہ کہنے لگا:۔

"آپ ملّا صاحب ہمیں کہاں منھ لگاتے ہیں۔ میاں کی قسم آپ نے چکھی ہی نہیں۔۔۔۔ جس دن چکھ لی سارے مزے بھول جائیں گے۔"

میں نے اسے سوالیہ انداز میں گھورا "کیا نہیں چکھی؟"

"اجی وہی۔۔۔ شراب معرفت" یکلخت اس نے میرے کان کے قریب سرگوشی کی "جمعرات کو سلیمن میرٹھ والی آرہی ہے!"

میری کھوپڑی بھک سے اُڑ گئی۔

"یہی کہنے صوفی صاحب کے پاس گئے تھے؟"

"جی ہاں جی ہاں۔۔۔ وہ دراصل انھیں بہت مانتی ہے۔"

میرا جی چاہا اپنا اور اس کا سر اس زور سے ٹکراؤں کہ فضا میں شہاب ثاقب بکھر جائیں۔ مگر فوراً ہی پہلوان جمّن آپہنچا اور اس سے بولا:۔

"سیٹھ حلیم حسین آئے ہیں۔۔۔ چل جلدی چل۔"

اور میں اکیلا عبرت کے سمندر میں غوطے کھاتا رہ گیا۔

ارشاد نمبر دو ملاحظہ فرمایئے:۔

مگر۔۔۔ لاحول ولا قوت۔۔۔ ابھی ابھی ایڈیٹر صاحب کا نادر شاہی حکم پہنچا ہے کہ چھ صفحوں سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے بتایئے دماغ کے سوراخ تو ابھی کھلے تھے۔ سچ کہا ہے کبیر داس نے:۔

"بیٹا! مار کٹاری مر جانا' مگر ایڈیٹروں کی نوکری مت کرنا۔"

اب میں مفتی محمود صاحب کے ارشادات نقل نہیں کر سکتا کہ یہ تو ساری ہی جگہ گھیر لیں گے۔ مختصراً سمجھ لیجئے کہ ان ارشادات میں

عجیب وغریب کشف وکرامت وغیرہ کا بیان ہے۔ بندہ ان سب کی ہزاروں صادی صحت کا فتویٰ دیتے ہوئے بطور نظیر خود اپنے پیر رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شاندار واقعہ بیان کرتا ہے۔ سمجھ میں آئے تو ایڈیٹر تجلی کی کنجوسی پہ سولہ سولہ آنسو روئیے گا۔ نہ سمجھ میں آئے تو اس پہ غور کیجئے گا کہ اور نہ ہلنگ ملا کی کھوپڑی کا ہونا چاہئیے یا ۔۔۔ یا ۔۔۔ بس چپ رہئیے۔

تو برسات کے دن تھے۔ میں اور پیر رحمۃ اللہ علیہ سیتا کی سرائے میں چنڈو کا تیسرا دور لے رہے تھے۔ یہ خوب سمجھ لیجئے کہ پیر رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں چنڈو، بھنگ یا شراب جو بھی کبھی پی گئی ہے اسے تینوں قل، فاتحہ اور وظیفہ قیر و رہیہ وغیرہ پڑھ کر ہم نے ہمیشہ طاہر و مطہر بنا لیا ہے۔ روحانیت کے لئے یہ طریقہ تیر بہدف ہے۔

اچانک حضرت پیر کھڑے ہو گئے اور حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے غرغرائے :-

"لو میں چلا۔ وہ دیکھو خواجہ سدا بہار ملتے کی بہار تھامے میرا انتظار کر رہے ہیں ۔۔۔ آؤ ملا ۔۔ میرے پیراں بیٹھ جاؤ۔"

یہ کہہ کر انھوں نے ہاتھ پھیلائے۔ میرا ڈور قریب الختم تھا۔ آخر چسکی لیتے ہوئے سوار ہو ہی گیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے لاکھ میل فی منٹ کی رفتار سے اُڑے جا رہے ہیں۔ یہ بغداد ہے۔ یہ کربلا ہے یہ اجمیر ہے۔ یہ کلیر ہے۔

"اور امریکہ؟" میں نے سوال کیا۔ حضرت بگڑ کے بولے :-

"نالائق کیا ناپاک نام منہ سے نکالا ہے۔ یہیں پھینک دوں گا۔"

"تو انگلینڈ، ہانگ کانگ، سوئٹزرلینڈ ۔۔۔ کچھ تو دکھلائیے۔"

"مردود کہیں کا ۔۔۔ پھر وہی ناپاک نام ۔۔۔ اررر ۔۔۔ میرا پیر ٹوٹا ۔۔۔"

"تو نالے پہ بیٹھیں ۔۔۔ کدھر گئے خواجہ سدا بہار؟"

"وہ ابھی دور ہیں ۔۔۔" اررر ۔۔۔ شائیں ۔۔۔ چر ۔۔۔

حضرت کا منکھ جس پر میں بیٹھا تھا اس طرح بتدریج ٹوٹا جیسے درخت کا تنا بوجھ پڑنے سے چرچرا کے ٹوٹتا ہے۔

"مار ڈالا ۔۔۔ چھتری ارے چھتری کہاں ہے ۔۔۔" میں چیخا۔ میرے تحت الشعور نے اچانک یہی کہا تھا کہ ہوائی جہاز بگڑ تا ہے تو بچاؤ کے لئے اس میں چھتری ضرور ہوتی ہے۔"

مگر چھتری ہاتھ نہیں آئی تو مجبوراً حضرت کی ٹانگ پکڑ کے لٹک گیا۔

"ارے خبیث چھوڑ ۔۔۔ چھوڑ دے دونوں مر جائیں گے۔"

وہ بے تحاشہ چیخے ۔۔۔

"کیسے چھوڑ دوں ۔۔۔ توازن بگڑ جائے گا ۔۔۔"

"توازن کے بچے ۔۔۔ مار ڈالوں گا ۔۔۔"

"منظور ہے ۔۔۔ کیا چاقو چھری کچھ ساتھ لائے ہیں؟"

"آہ ۔۔۔ اوہ ۔۔۔ شاں ۔۔ں ۔۔ں ۔۔۔"

ہماری واپسی کی رفتار اب اتنی تیز ہو گئی تھی گویا ہم کسی توپ میں رکھ کر داغے گئے ہیں۔ حضرت پیر کی طاقت گویائی تقریباً جواب ہی دے چکی تھی بس برائے نام بڑبڑا رہے تھے۔

"یا غوث مدد ۔۔۔ یا غوث مدد ۔۔۔"

ہوا کے سخت دباؤ نے میرا نشہ توڑ دیا تھا۔ حضرت کی جیب ٹٹولی تو افیم کی ایک پڑیا ہاتھ آ گئی۔ انھیں بھی اس حرکت کا احساس ہو گیا تھا مری ہوئی آواز میں کہنے لگے :-

"مردود ۔۔۔ ذرا سی مجھے بھی دینا ۔۔۔ اکیلے ہی کھا رہا ہے؟"

"میں تو فنا ہو چکا ہوں۔ مُردے افیم نہیں کھلایا کرتے۔"

"خبیث، خود تو کھا رہا ہے ۔۔۔ لا ذرا سی دے ۔۔۔ دو ۔۔۔ دھڑ ۔۔۔ دھڑام ۔۔۔"

یہ شاید ہمالیہ کی کوئی اونچی چوٹی تھی جس سے ان کا ماتھا دھڑام سے ٹکرا گیا تھا۔ ماتھا تو خیر اسی اہم چیز نہیں تھی مگر شاید برف کی ایک دھار دار سِل نے ان کی گردن ہی الگ کر دی۔ کیا دیکھتا ہوں کٹی ہوئی گردن زنّاٹے سے سامنے کی سمت اڑی جا رہی ہے۔ حضرت صاحب فلک شگاف آواز سے چیخے :-

"ابے نالائق، جھپٹ کے جا ۔۔۔ دیکھ نہیں رہا ہے گردن اڑ گئی ہے۔"

"چلے چلئے ۔۔۔ بکری کی گردن لگوا لیں گے۔ اب تو حاضر کی برکت سے سب کچھ ہو جاتا ہے۔"

"تو کیا میں چھال پتے کھایا کروں گا ۔۔۔ نابکار کل ہی بارہ سیر حلوہ سیب بنوایا ہے۔"

"وہ میں نمٹا دوں گا۔۔۔۔ آپ کا بوجھ آخر مجھی کو تو اٹھانا ہے"
"دیکھتا ہوں کیسے اٹھاتا ہے۔۔۔ جماعت سے خارج کیا۔
۔۔۔ہا۔۔۔ارر۔۔۔۔ ارے کمبخت لونڈے میں انگلی ہی لگا لے سارا
خون نکلا جارہا ہے۔۔۔۔"
میں ایک ہاتھ سے نہیں لٹک سکتا۔۔۔ نکل جا سیدھے
اپنے بھارت میں بلڈ بینک بہت ہیں۔۔۔"
اک دم ایسا محسوس ہوا جیسے سورج پھٹا اور کرچوں کی باڑ
میرے بدن سے ٹکرائی۔۔۔۔ فوراً ہی ناقہ سامنے آیا اور ظالم
نے بائیں پیر کی ٹھوکر جو کھوپڑی پہ رسید کی ہے تو تارے اتر گئے۔۔
"اٹھ۔۔۔۔۔" یہ ایک سپاہی کی خوفناک للکار تھی۔
ساتھ ہی دو چار گالیاں بھی سونتی گئیں اور ڈنڈا میری گدی پہ
پڑا۔ وہ میرے سر پہ مسلط تھا۔ ایک اور سپاہی نے حضرت پیر کو
گریبان سے پکڑ کے کھڑا کر رکھا تھا۔ وہ کہے جا رہے تھے:۔
"میری گردن۔۔۔۔ او خبیث چھوٹ کے جا۔۔۔ گر۔۔۔
۔۔ر۔۔۔ر دن۔۔۔۔"
او رجیل کا ایک مہینہ بڑے مزے سے کٹا ——— میں نے
ٹوٹی ہوئی بیعت پھر سے جوڑی تھی۔ حلوہ سیب سپرڈینٹ
صاحب کی اجازت سے یہیں منگوا لیا گیا تھا۔

ہے طبع رواں جوش پہ دل کھول کے لکھتا
ل جاتے جو تقدیر سے صفحات کئی اور
فریاد کہ ظالم نے زباں کاٹ کے رکھ دی
کہنی تھیں بہت خاص حکایات کئی اور
اس ضبط سے غارت ہوئی جاتی ہے ارتجی
بیتاب ہیں سینے میں روایات کئی اور
(ملا زندہ صحبت باقی)

آنکھوں کے لئے
سرمہ
دُرِّ نجف
اور
دانتوں کے لئے منجن
جوہرِ دنداں
نہ بھولئے
دارالفیض رحمانی دیوبند
یو-پی

ڈاکٹر بنیں
گھر بیٹھے بذریعہ ڈاک پڑھکر
گورنمنٹ سے رجسٹرڈ کالج کا ڈپلومہ
حاصل کیجئے۔ مفت پراسپکٹس کے لئے لکھئے
ہند ہومیوپیتھک کالج (ڈی) سونی پت

مفت لیجئے
دلی کے بڑے بڑے تجربہ کار قابل حکیموں کا ایک بورڈ ہے۔ اگر آپ بیمار ہیں تو اپنا
پورا حال لکھکر ان سب حکیموں کے مشورے سے تجویز کیا ہوا نسخہ مفت لیجئے۔
خط پوشیدہ رہے گا۔ سکریٹری طبی بورڈ۔ نور گنج دلی ۶

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ (الحدیث)

نفیس دینی وعلمی کتابیں

علم کی طلب ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے (حدیث)

کتابیں طلب کرنے والے چند باتوں کا لحاظ ضرور رکھیں

(۱) تحریر اتنی صاف ہو کہ آرڈر کی تفصیل اور آپ کا پتہ پڑھنے میں دشواری نہ ہو (۲) مجلد یا غیر مجلد کی بھی وضاحت کر دیجئے (۳) تقریباً بیس روپے سے زائد کتابیں منگانے کی صورت میں ریلوے پارسل میں کفایت رہتی ہے۔ اگر یہ کفایت مطلوب ہو تو اپنا اسٹیشن لکھئے۔ پارسل ریل سے اور بلٹی کی رسید ڈاکخانہ سے وی پی بھیجی جائے گی (۴) اگر آپ ستے نئے خریدار ہیں تو بیس روپے یا اس سے زائد کے آرڈر پر کچھ روپے پیشگی روانہ فرمایئے جنہیں وی پی میں کم کر دیا جائے گا (۵) ڈاکخانہ سے وی پی کی اطلاع ملتے ہی چھڑا لیجئے، دیر کرنے سے واپس ہو جاتی ہے (۶) اگر آپ کو گمان ہو کہ وی پی توقع سے کچھ زائد رقم کی ہے تو اسے واپس نہ کریں، بلکہ وصول کر لیں۔ آپ کے اطلاع دینے پر مکتبہ یقیناً ہر شکایت کا ازالہ کرے گا۔

خادم منیجر مکتبہ تجلی دیوبند ضلع سہارنپور (یو۔پی)

قرآن مترجم وغیرہ

قرآن بدو ترجمہ (۱) شاہ رفیع الدینؒ (۲) مولانا اشرف علیؒ متوسط سائز میں، مجلد کریج کا ہدیہ ساڑھے بارہ روپے۔ بہت بڑے سائز میں مجلد کا ہدیہ پچیس ۲۵ روپے (اسکی لکھائی بہت جلی ہے)

قرآن بیک ترجمہ مولانا اشرف علیؒ۔ مجلد کریج کا ہدیہ ساڑھے دس روپے۔

قرآن بلا ترجمہ اچھا سفید کاغذ۔ تجلی سائز۔ ہدیہ مجلد پانچ روپے

قرآن بلا ترجمہ جلی قلم، روشن حروف، مجلد کا ہدیہ آٹھ روپے

قرآن مترجم ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ۔ تفسیر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔ مطبوعہ لاہور۔ ہدیہ مجلد رعایتی بیس ۲۰ روپے (یہی قرآن بڑا سائز مطبوعہ بجنور۔ مجلد چرمی پشتہ پچیس ۲۵ روپے۔

قرآن کی تفسیریں

تفسیر ابن کثیر احادیث کی روشنی میں آیات کا مفہوم ظاہر کرنے والی وہ تفسیر جو دنیا بھر میں مشہور و مقبول ہے۔ ترجمہ سلیس، لکھائی چھپائی پسندیدہ پانچ جلدوں میں مکمل۔ ہدیہ مجلد پچپن روپے۔ کوئی بھی جلد علیحدہ نہ مل سکیگی۔

تفسیر موضح القرآن شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ کی یہ تفسیر اردو تفاسیر میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے کلاں سائز۔ ہدیہ مجلد اعلیٰ بیس ۲۰ روپے۔ غیر مجلد سولہ روپے۔

تفسیر بیان القرآن مولانا اشرف علیؒ کی یہ عظیم تفسیر اپنا جواب آپ ہے۔ دو قسموں میں بہتا کی جا سکتی ہے ● بہت بڑا سائز۔ بارہ حصوں میں مکمل۔ ہدیہ غیر مجلد ساٹھ روپے۔ دو جلدوں میں مجلد ستر روپے ● تجلی جیسا سائز تیس پاروں میں مکمل۔ غیر مجلد ساٹھ روپے پانچ جلدوں میں مجلد پینسٹھ روپے دوسری قسم کا ہر پارہ الگ بھی طلب کیا جا سکتا ہے۔ فی پارہ دو ۲ روپے

تفسیر حقانی

مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ کی تفسیر نایاب ہو گئی تھی، اب ہر ماہ ایک پارہ چھپ رہا ہے، اب تک اکتیس پارے چھپ چکے ہیں۔ فی پارہ دو روپے (صرف پارہ اول چھ روپے جو تین حصوں پر مشتمل ہے)۔

تفہیم القرآن اول دوم

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی وہ اہم بالشان تفسیر جو غیر ضروری تفصیلات سے بچاتے ہوئے آپ کو براہِ راست مغزِ قرآن تک پہنچاتی ہے۔ دل نشین، مستند اور ذہن میں اتر جانے والی۔ ابھی پہلی اور دوسری جلدیں فراہم کی جا سکی ہیں۔ جلد اول مجلد ساڑھے بارہ روپے جلد دوم مجلد پندرہ روپے۔

علوم قرآنیہ

البیان فی علوم القرآن

مشہور "تفسیر حقانی" کے مصنف مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ کی یہ عظیم الشان کتاب وہی ہے جس کی توصیف میں علامہ انور شاہ صاحبؒ جیسے علامہ نے یہ الفاظ لکھے کہ "اگرچہ اس کی نظیر ممکن ہے لیکن واقع نہیں" خدا کی ذات و صفات، تناسخ، ملائکہ، جزا و سزا، قبر، جنت، دوزخ، نبوت، ناسخ و منسوخ، استعارہ و کنایہ اور اختلاف قرأت کی بحثیں، صفحات ۴۳۵ کاغذ لکھائی چھپائی معیاری۔ قیمت چودہ روپے (مجلد پختہ سولہ روپے)

قصص القرآن

قرآن کے بیان فرمودہ قصص پر لاجواب کتاب عظیم معلومات کا خزانہ مستند اور محققانہ تفصیلات سے مالا مال۔ حصہ اول سات روپے حصہ دوم چار روپے حصہ سوم ساڑھے پانچ روپے حصہ چہارم سات روپے مکمل سیٹ منگانے پر قیمت تیئیس روپے (مجلد مطلوب ہوں تو ایک پختہ جلد ڈیڑھ روپیہ بڑھ جائے گا)۔

لغات القرآن

قرآنی لغات کی تشریح آسان زبان میں جو لوگ قرآن کو بلا ترجمہ سمجھنے کی خواہش اور شوق رکھتے ہیں ان کے لئے یہ کتاب بڑی مدد فراہم کرتی ہے۔ قیمت مجلد

علم الحدیث

مؤطا امام مالکؒ (مترجم عربی مع اردو)

احادیث و آثار کا وہ مجموعہ جو بخاری سے پہلے مرتب ہوا سلیس ترجمہ کے ساتھ عربی متن بھی ہے۔ ھدیہ بارہ روپے۔ مجلد کر یج تیرہ روپے (مجلد اعلیٰ چودہ روپے)

بخاری شریف (خالص اردو)

قرآن کے بعد سب سے صحیح کتاب بخاری کا سلیس اردو ترجمہ تین جلدوں میں مکمل ہدیہ چوبیس روپے۔ مجلد پختہ ستائیس روپے مجلد اعلیٰ تیس روپے (مجلد کا مطلب تین الگ الگ جلدیں ہیں)۔

مشکوٰۃ شریف (خالص اردو)

مشکوٰۃ شریف کا بھی سلیس اردو ترجمہ دو جلدوں میں حاضر ہے ہدیہ سولہ روپے۔ مجلد پختہ اٹھارہ روپے (مجلد اعلیٰ بیس روپے)

ترمذی شریف (خالص اردو)

سفید عمدہ کاغذ حصہ اول مجلد نو روپے۔ حصہ دوم مجلد نو روپے (دونوں حصے بیک وقت طلب کرنے پر سولہ روپے۔

مشارق الانوار (مترجم)

بخاری و مسلم کی صرف قولی احادیث کا نفیس انتخاب۔ ترتیب فقہی ابواب پر ہے جس سے یہ معلوم کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے کہ کونسا مسئلہ کس حدیث سے نکلا ہے۔ ترجمہ کے ساتھ تشریح بھی ہے اور عربی متن بھی۔ ھدیہ چودہ روپے۔ مجلد پندرہ روپے (مجلد اعلیٰ سولہ روپے)

بلوغ المرام

مشہور امام فن حافظ ابن حجرؒ کی یہ کتاب بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور دیگر کتب معتبرہ سے منتخب کئے ہوئے دینی احکام کا بیش بہا مجموعہ ہے۔ ترجمہ مع عربی متن مجلد آٹھ

مسند امام اعظم (مع ترجمہ و فوائد)

امام ابوحنیفہؒ کا مرتب فرمودہ احادیث کا مجموعہ جس میں مولانا عبدالرشید نعمانی کا بہترین معلومات فزا مقدمہ بھی ہے۔ مجلد آٹھ روپے

ترجمان السنۃ

احادیث کی بہترین تفہیم و تشریح پر مشتمل اردو زبان میں اپنی قسم کی واحد کتاب، اشتہار میں اسکی خوبیوں کا اجمالی تعارف بھی مشکل ہے۔ بس دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ جلد اول دس روپے (مجلد بارہ روپے) جلد دوم نو روپے (مجلد گیارہ روپے) (جلد سوم دس روپے آٹھ آنے (مجلد بارہ روپے آٹھ آنے)

تصوف" بھی شامل ہے۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

نوٹ:۔ تنہا بھی منگانا ہو تو منی آرڈر سے ایک روپیہ بارہ آنے بھیجدیجئے۔ وی پی طلب کریں گے تو دو روپے دو آنے خرچ ہو جائیں گے۔

مبتدیوں کی تجوید

قرآن پڑھنے اور پڑھانے والوں کے لئے بہترین ہے۔ تجوید کے بہترین طریقے آسان زبان میں پیش کئے گئے ہیں۔ صرف بارہ آنے

درسگاہِ رسول ؐ کے دو طالب علم

یہ دونوں کون تھے؟ جلیل القدر صحابی حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔
ان دونوں کے مختصر مگر مستند حالات اور سوانح طرز تحریر بے حد دلکش ہے۔ کتابت وطباعت اچھی قیمت ایک روپیہ

ردِّ روافض (اردو)

ایک دلچسپ مناظرہ کیا رافضی کافر ہیں؟ اور رافضیوں کا کیا مذہب ہے؟ اس پر حضرت مجدد الف ثانی ؒ کا خود نوشتہ رسالہ حرف آخر ثابت ہوا۔ جو اب اردو میں ترجمہ ہو کر چھپا ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ۔

احکام القمار

جس میں جوے کی تعریف، اسکے اقسام اور احکام حدیث وقرآن سے پیش کئے گئے ہیں مستند عالم مفتی محمد شفیع صاحب کے قلم سے۔ قیمت صرف چار آنے

غوث الاعظم

یعنی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ کے مختصر حالات زندگی۔ قیمت صرف چار آنے۔

جلاء الابصار اردو ترجمہ نور الانوار شرح المنار

یہ ترجمہ عرصہ سے کمیاب ہے۔ اسکے چند نسخے مل گئے ہیں۔ ضرورت مند حضرات فوری توجہ دیں۔ دو جلدوں میں مکمل ہے۔ غیر مجلد کی قیمت بارہ روپے اور مجلد کی سولہ روپے۔

خلفائے راشدین

(از مولانا عبدالشکور صاحب ایڈیٹر النجم لکھنؤ) خلفائے راشدین کی سیرت پر بے نظیر کتاب ہے۔ قیمت ڈھائی روپے۔

عربوں کی گذشتہ تجارت
انگلستان (کی) کی صنعت وحرفت

اس کے پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں ملکوں نے تجارت کی بدولت کس طرح اور کتنی ترقی کی۔ قیمت صرف آٹھ آنے۔

اشاعت اسلام

دنیا میں اتنی جلد اسلام کس طرح پھیلا؟ مخالفین اسلام اس سلسلہ میں کیا کیا کہتے ہیں؟ اور اس کا جواب کیا ہے؟ یہ سب کچھ ٹھوس دلائل کیساتھ اس میں ملیگا۔ کاغذ طباعت کتابت سب عمدہ۔ قیمت چھ روپے

اردو ہندی لغت

جس میں نئے دور کے پیش نظر سائنسی معاشرتی، صنعتی اور تجارتی اخباری، عدالتی اور دفتری غرضیکہ ہر قسم کے مفرد الفاظوں کے ساتھ ساتھ مرکب لفظوں کی بھی ہندی دیدی گئی ہے۔ ہندی سیکھنے والوں کے لئے ایک اچھی چیز ہے۔ صفحات ۱۱۲۴ — قیمت مجلد مع گردپوش ساڑھے تین روپے۔

دین وشریعت

مولانا منظور نعمانی کی تازہ تصنیف جو بہت مفید ومبسوط مباحث پر مشتمل ہے۔ قیمت مجلد تین روپے (آپ کی تین اور کتابیں بھی ہم سے مل سکتی ہیں) (۱) اسلام کیا ہے؟ اضافہ شدہ ایڈیشن۔ ڈھائی روپے (۲) آپ حج کیسے کریں۔ مجلد دو روپے (۳) معارف الحدیث حصہ اول مجلد سوا پانچ روپے۔ حصہ دوم مجلد ساڑھے پانچ روپے

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک

مشہور محقق عالم مولانا مسعود عالم ندوی ؒ کی شہرۂ آفاق کتاب حضرت سید شہیدؒ کی جہادی یعنی تحریک۔ اور ان کے کارناموں پر تبصرہ وتنقید اور غیروں کی غلطیوں کی نشاندہی اور تردید وغیرہ۔ ڈھائی روپے۔

تاریخ عالم

حضرت آدم ؑ سے لیکر رسول اللہ ﷺ تک کے تمام انبیاء کے حالات مع تاریخ پیدائش ووفات اور مکمل تاریخ اسلام و دیگر اقوام عالم کی تاریخ کے علاوہ دنیا کے مشہور ممالک اور ریاستوں کی تاریخ۔ مجلد ساڑھے چار روپے۔

الغزالی شہرۂ آفاق عالم امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ پر مولانا شبلی نعمانی رح کی محققانہ تصنیف، نایاب ہے۔ دو روپے

اسلام اور انسانی قانون از علامہ عبدالقادر عودہ شہید کی ایک نفیس کتاب ترجمہ سلیس ہے۔ قیمت صرف پندرہ آنے۔

سدِّ باب ذریعہ علامہ ابن قیم کا ایک عجیب مضمون جس میں ۹۹ مثالوں کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی شے کو حرام کرتا ہے تو اس تک پہنچانے والے تمام وسائل و ذرائع کو بھی ممنوع کر دیتا ہے۔ قیمت دس آنے۔

تفسیر فیض الرحمٰن بسم اللہ الحمد اور معوذتین کی تفسیر شاہ ولی اللہ رح اور دیگر اکابرین کی آراء کا خلاصہ بھی دیا گیا ہے۔ ہدیہ دو روپے۔

تحفۂ اثنا عشریہ (اردو) از حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح ترجمہ مولانا سعد حسن خاں یوسفی

پیدائش و تاریخ مذہب شیعہ۔ اُن کی مختلف شاخیں۔ اُن کے اسلاف علماء اور کتب کا بیان۔ اُلوہیت، نبوت، امامت اور معاد کے بارے میں اُن کے عقائد۔ اُن کے مخفی مسائل فقہیہ۔ صحابہ کرام، ازواج مطہرات اور اہل بیت کے حق میں اُن کے اقوال و افعال اور مطاعن۔ مکائد شیعہ کی تفصیل۔ انکے اوہام، تعصبات اور خرافات کا بیان۔ قیمت مجلد مع حسین ڈسٹ کور بارہ

ختم نبوت کامل (سہ حصے) مصنفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

جس میں ایک سو سے زائد آیاتِ قرآنی اور دو سو سے زائد احادیث رسول اور اجماعِ اُمت اور سینکڑوں اقوال صحابہ و تابعین و ائمہ دین سے مسئلہ ختم نبوت کے ہر پہلو کو واضح کیا گیا ہے اور شبہات کے شافی جوابات دیئے گئے ہیں۔ قیمت مجلد مع ڈسٹ کور چھ

سیرۃ عمر ابن عبدالعزیز رح اس جلیل القدر ہستی کی مفصل اور مستند سوانح جس کی خلافت کو بہت سے علماء نے پانچویں خلافتِ راشدہ سے تعبیر کیا ہے

قیمت مجلد تین روپے

اصولِ تفسیر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح کے ایک قیمتی رسالہ کا سلیس اردو ترجمہ مع حواشی مفیدہ۔ قیمت ایک روپیہ۔

تلاشِ راہِ حق ایک طالب حق کے جواب میں مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور میاں طفیل احمد کے خطوط

قیمت مجلد پونے دو روپے

اسلام کی اخلاقی تعلیمات آج کی شستہ اور دلکش زبان میں ان تعلیمات اسلامی کی تفصیل جن کی ہر مسلمان کو ہر وقت ضرورت ہے

قیمت سوا روپیہ

دین کی باتیں از مولانا عبدالحی صاحب — جس میں اسلامی عبادات، بنیادی عقائد، اخلاق، سیاسیات، حقوق اور ذکر اللہ وغیرہ کو ایمان افروز انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ نفیس لکھائی چھپائی۔

قیمت پونے دو روپے

رسول اللہ صلعم کے ارشادات و خطبات سیرت طیبہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ضروری ارشادات و تعلیمات کا خلاصہ —

احادیث کی ایمان افروز تشریحات
ہدیہ مجلد دو روپے آٹھ آنے

آپ کے تعاون کا مستحق

منیجر مکتبہ تجلّی دیوبند ضلع سہارنپور

(یو۔پی)

وہ عظیم محدث و واعظ
جس کے ہاتھ پر بیس ہزار یہود و
نصاریٰ نے اسلام قبول کیا اور
ایک لاکھ سے زیادہ آدمیوں نے
توبہ کی یعنی علامہ ابن الجوزیؒ

لطائف علمیہ

ترجمہ اردو

کتاب الاذکیاء

آٹھ سو سال پہلے
کی ایک عظیم ہستی جو ذکاوت
فراست میں مشہور، تاریخی حالات
واقعات اور لطائف و حکایات پر
مشتمل ہے، قابل مطالعہ

مؤلفہ شہرہ آفاق محدث و فقیہ ادیب و خطیب علامہ ابن الجوزی بغدادی

اس کتاب کے مصنف چھٹی صدی ہجری کے جلیل القدر محدث و فقیہ علامہ ابن الجوزی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کے بلند علمی مقام اور تبحر و تفقہ سے علمی حلقے بخوبی واقف ہیں، آپ کے تعارف میں عوام کو اتنا ہی بتانا کافی ہوگا کہ آپ کے ہاتھ پر بیس ہزار یہود و نصاریٰ نے اسلام قبول کیا اور ایک لاکھ سے زیادہ آدمیوں نے توبہ کی۔ حدیث سے متعلق آپ کے حسن تعلق اور شغف کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جن قلموں سے آپ احادیث لکھتے تھے ان کے تراشے محفوظ رکھتے تھے۔ آپ نے وصیت فرمائی کہ بعد موت غسل میت کا پانی انہی تراشوں سے گرم کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور تراشوں کا ایک ذخیرہ پھر بھی باقی بچ گیا۔ ایسے عالی مقام مصنف کی تصانیف جس قدر اہم و نافع ہو سکتی ہیں ظاہر ہے۔ مختلف علوم میں آپ کی تین سو چالیس تصانیف ہیں، مجلدات کی تعداد دو ہزار ہے۔

اس کتاب میں

سات سو سے زیادہ قصص و لطائف مذکور ہیں جس میں ہر ایک ذکاوت یا حاضر جوابی یا نکتہ سنجی یا دانشمندانہ مزاح یا ایسے ہی کسی کارنامہ عقل و فراست کا آئینہ دار ہے۔ یہ کتاب چھبیس ابواب پر مشتمل ہے جن میں عقل و فراست کے فضائل و مناقب اور اہم ذکاوتی علامات کے علاوہ انبیاء، صحابہ، علماء و مشائخ، قضاۃ، امراء و وزراء، عوام و خواص غرض سب ہی کے متعلق دلچسپ قصص ہیں۔ بادشاہوں، وزیروں، فقیروں حتیٰ کہ چوپایوں تک کی ذکاوت کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ اصل کتاب عربی میں تھی اور عبارات نہایت دقیق تھیں۔ فاضل مترجم حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند نے بڑی محنت و جانفشانی سے اس دقیق کتاب کو نہ صرف اردو لباس پہنایا بلکہ بہت سے مفید اضافے بھی کئے۔ بات کو کھولنے کے لئے عربی محاوروں کی توضیح اور تاریخی واقعات کی ضروری وضاحت کے علاوہ جہاں اختصار کے باعث مطلب سمجھنا مشکل تھا وہاں عبارت بڑھا دی گئی۔ جن لطائف میں کوئی خاص نکتہ ذرا چھپا ہوا تھا تو بین السطور اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔ وغیرہ وغیرہ غرض افادیت کے کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا گیا۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اس کا پیش لفظ تحریر فرمایا ہے۔ ہم ناظرین سے اس کتاب کے مطالعہ کی پرزور اپیل کرتے ہیں۔

ضخامت چار سو اسی صفحات۔ **قیمت** مجلد مع خوشنما گرد پوش صرف پانچ روپے۔

ہر قسم کی عربی فارسی اردو کتب ہر قاعدے پاسے
قرآن مجید حمائل عربی و مترجم ارزاں ملنے کا پتہ

مکتبہ تجلی دیوبند ضلع سہارنپور یوپی

R.No. A-372 Tajalli Monthly Deoband U.P.

- دھند جالا، ناخونہ، پڑبال، سرخی، اور آنکھیں دکھنے میں مفید ہے۔
- آنکھوں کے آگے تارے اڑتے ہوں، یا بینائی کمزور ہوتی جارہی ہو، یا آنکھیں تھکاوٹ محسوس کرتی ہوں تو اسے استعمال فرمائیے۔
- ضروری ہدایات ساتھ بھیجی جاتی ہیں

جن حضرات نے تجربہ کے بعد تعریفی تحریریں مرحمت فرمائیں ان میں سے چند کے اسماءِ گرامی

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رح۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رح۔ مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند۔ مولانا اشتیاق احمد صاحب استاذ دار العلوم دیوبند۔ حضرت مولانا مطلوب الرحمٰن صاحب عثمانی مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب (ندوۃ المصنفین دہلی)۔ ڈاکٹر ظفر یار خاں صاحب سابق ملٹری سرجن۔ حکیم کنہیا لال صاحب وید سہارنپور۔ ڈاکٹر انعام الحق صاحب ایل، ایم، ایس ہومیوپیتھک۔ ساہو جوالا پرشاد صاحب رئیس اعظم مراد آباد۔ جناب امتیاز عباسی ایڈیٹر اسلامی دنیا دیوبند

ہندوستان کا پتہ	دار الفیض رحمانی۔ دیوبند۔ ضلع سہارنپور۔ (یو۔ پی) انڈیا
پاکستان کا پتہ	عثمان غنی۔ کرانہ مرچنٹ ۲۲۸۰ مینا بازار پیر الٰہی بخش کالونی۔ کراچی (پاکستان)